OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 4, Issue 4 (October-December 2021)

عہد نامہ عتیق کے مطالعہ میں کلاسیکی مسلم عہد کے علما کے مناہج

Muslim Scholars' Approaches towards the Study of Old Testament in classic Muslim Era

Syed Adeel Shah
Doctoral Candidate Islamic Studies, Al-Hamd Islamic University, Islamabad
Kalsoom Mushtaq
Assistant professor, Govt Kaura Khan Associate College for Women, Jatoi
Mushtaq Ahmed
M.Phil. Scholar, Department of Urdu, Minhaj University, Lahore

Abstract

Muslims had interaction with Jews since the beginning of Islam and their dialogue with them was usually verbal. It was long after prophetic Era when Muslims started taking interest in reading Jewish scriptures and writing about them. The prime reason behind abstaining from Old Testament was the doctrine of interpolation claimed by Quran. When scholars started taking Old Testament into consideration, their idea of interpolation fluctuated in various ways. The admitted that the interpolation took place in Old Testament but some of them did not agreed upon textual interpolation; rather they claimed that only hermeneutical interpolation was done and text is all safe and authentic. Beside them, another class of Muslim scholars strictly refuted this opinion and they came with the hardcore stance of Tehreef by claiming that the whole of Old Testament has been distorted by Jew Rabbis. This difference of opinion has been analyzed in this article in the light of early Muslim writings about Jews and Old Testament.

Key Words: Old Testament, Muslim, Interpolation, Quran, Jews, *Tehrīf*

تمہید

مسلم یہودی مناظرانہ روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنا مسلم یہودی تعامل قدیم ہے۔ مسلمانوں میں اس روایت کا اولین بنیادی اور اساسی مرجع قرآن مجید ہے جس میں یہودیوں کی عادات، ان کے خصائل اور ان کے کردار کی تفصیلات مذکور ہیں۔ قرآن مجید کا طائرانہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مطابق یہودی مسلمانوں کے دشمن ہیں[1]۔ ان پر عائد ہونے والی گراں بار، بوجھل، بھاری اور وزنی شریعت اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطور سزا تشکیل دی گئی ہے[2]۔ یہودی دنیاوی زندگی کے بری طرح حریص ہیں[3]۔ وہ اپنے مذہبی اکابر کے بارے میں مبالغے کی حد تک احترام، تعظیم، محبت اور عقیدے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ عقیدہ توحید کو بھی پامال کر دیتے ہیں[4]۔ اس ضمن میں یہودیوں کی مذہبی کتاب یعنی تورات کے بارے میں قرآن مجید کا موقف بھی قابل غور ہے جس کو قرآن مجید نے اس کو منسوخ قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کی بعض آیات کو قابل التفات گردانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بائبل میں نبی اکرم ﷺ کی آمد کی خبریں پڑھ کر یقین کر لیا کہ اب نبی اکرم ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی تعلیمات ہی تاقیامت لائق اطاعت ہیں اور اس یقین کے بعد آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو قبول کیا تھا ان کے بارے میں قران مجید میں انتہائی حوصلہ افزا خبر دی گئی ہے[5]۔ قرآن مجید کا موقف ہے کہ یہود تورات میں تحریف کے بھی مرتکب ہوئے ہیں[6] نیز یہودیوں کو حق و باطل کی تلبیس کے جرم کا مرتکب قرار دیا گیا ہے[7]۔ علماءِ یہود اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے[8] کتمان حق کا ارتکاب بھی کرتے ہیں[9]۔ مذہبی تعلیمات کے ضمن میں الہامی متن میں الفاظ کا ہیر پھیر کرتے ہیں[10]۔ عام گفتگو کو بھی زبانیں مروڑ کر کرتے ہیں تاکہ دوسرے دھوکا کھا کر یہ سمجھیں کہ کلامِ الٰہی ہے[11]۔ یہود کے بارے میں قرآن مجید کے اس اسلوب کے باوصف اسلامی تاریخ کے پہلے چار سو برس میں مسلمانوں کی جانب سے یہودیوں کے بارے میں کوئی مخصوص مناظرانہ کتاب منصہ شہود پر نہیں آسکی کیوں کہ مسلمان علماء شاید عیسائیوں کی جانب سے اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا محاکمہ کرنے میں مصروف عمل رہے ہیں۔ ابن ندیم (م:385ھ/995ء) کی الفہرست میں بھی یہودیت کے رد میں کسی مخصوص کتاب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے[12]۔ عیسائی عقائد کی تردید میں الجاحظ کی "الرد علی النصاریٰ" میں یہودیوں کے خلاف دلائل ذکر کیے گئے ہیں[13]۔ اگر ہم ان کتابوں کی جانب توجہ مبذول کریں جن کا مرکزی مدعا رد یہودیت نہیں ہے تو ان میں ہمیں اس موضوع پر مواد میسر آسکتا ہے۔ ان کتابوں میں کلامی کتب، تفاسیر اور تعارفِ مذاہب سے متعلق پیش کیا گیا ادب شامل ہے۔ اس مقالہ میں اس ضرورت کے پیشِ نظر کلاسیکی مسلم عہد کی ان اولین کتب میں سے ابن ربن، طبری، ابن قطیبہ اور ابن حزم کی ان کتب پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے مطالعہ تورات کے ساتھ ہے۔

علی بن ربن طبری

علی بن ربن طبری ایک نسطوری ماہر طبیعات تھے۔ ان کے نسب نامے کے مطابق وہ مشرقی ایران کے صوبے طبرستان میں پیدا ہوئے تھے۔ عباسی خلیفہ متوکل (232ھ/847ء-247ھ/861ء) کے دورِ حکومت میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مستشرق برنارڈ لیوس کا دعویٰ ہے کہ اس وقت عباسی خلیفہ نے معتزلہ فرقے کا خاتمہ کرنے اور اہل السنہ کے عقائد کے احیاء کے لیے غیر مسلموں پر مخصوص پابندیاں عائد کر رکھی تھیں اور ابن ربن نے ان پابندیوں سے خلاصی پانے کے لیے اسلام قبول کر لیا تھا[14]۔ اس دعویٰ میں کوئی مضبوطی نظر نہیں آتی ہے کیونکہ اگر ابن ربن نے دنیاوی مفاد اور ذاتی متاع کے لیے اسلام قبول کیا ہوتا تو یقیناً اس کے بعد اس کی زندگی عیش و عشرت سے معمور ہوتی لیکن تاریخ کے کسی بھی قابل اعتماد مصدر میں ابن ربن کے بارے میں ایسی تفصیلات دستیاب نہیں ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ابن ربن نے سائنس، فلسفے اور مذہب کے شعبہ ہائے جات میں گراں قدر علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دیں نیز ابن ربن نے اسلام کے دفاع کے لیے دو ایسی کتب

تحریر کیں جو خود خلیفہ کے بھی زیر غور رہی تھیں۔مقالہ ہذا میں اس کی کتاب " كتاب الدين والدولة في اثبات نبوات النبي محمدﷺ" پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اسی موضوع پر ابن ربن کی دوسری کتاب "الرد على النصارىٰ" ہے۔مصنف کے مطابق اس کتاب کا بنیادی مقصد نبی اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں دیگر ادیان کے پیروکاروں کے اذہان میں موجود شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا ہے۔اس ضمن میں عیسائیوں کے اعتراضات کو خصوصی توجہ دی گئی ہے۔انھوں نے بتایا ہے کہ اسی مقصد کے تحت ان سے قبل بھی لوگوں نے کتابیں لکھ کر پیش کر رکھی ہیں لیکن وہ اپنے ہدف تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کے صحائف کا تجزیہ کرنے میں ناکام ہوئے ہیں[15]۔دوسری جانب ابن ربن خود سریانی، یونانی اور عبرانی زبان جانتے تھے اور ان کا مطالعہ بائبل بھی وسیع وعریض تھا۔مصنف نے ان معیارات کا ذکر کیا ہے جن کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کو ایک سچے پیغمبر کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔آپ ﷺ نے اپنے پیش رو انبیاء کی طرح توحید کی تبلیغ فرمائی۔آپ ﷺ ایک متقی اور مخلص انسان تھے۔آپ ﷺ کی دی ہوئی شریعت قابلِ ستائش ہے۔آپ ﷺ نے معجزات پیش کیے اور آپ ﷺ نے ان واقعات کی قبل از وقوع پیش گوئیاں کیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا تھا۔آپ ﷺ ایک ایسی کتاب کے ساتھ مبعوث ہوئے جو آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی کھلی دلیل ہے۔آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ووفاشعاروں کی عسکری فتوحات بھی آپ ﷺ کے برحق ہونے کا ثبوت ہیں۔جن لوگوں نے آپ ﷺ کی سیرت اور احادیث کو مرتب ومنظم کر کے پیش کیا وہ سب دیانت دار تھے۔آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر تھے اور آپ ﷺ کے بغیر بائبل کی پیش گوئیاں بے معنی ٹھہرتی ہیں۔آپ ﷺ کے پیش رو انبیاء نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر دی تھی اور آپ ﷺ کے مشن، وطن، فتوحات اور پیروکاروں کے بارے میں اپنے لوگوں کو آگاہ کیا تھا۔تل ابیب یونیورسٹی کی پروفیسر کیمیلا ایڈنگ (Camila Adang) نے ابن ربن کے اس اسلوب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل کے طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کی جانب سے بھی اسی طرح کے معیارات اس سے پہلے پیش کیے جا چکے تھے ابن ربن نے وہی پیمانے نبی اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کی صداقت و حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے پیش کیے جن کی بنیاد پر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء تسلیم کیا گیا تھا:

> These or very similar criteria had already been adduced by Jewish and Christian theologians as proof of the veracity of Moses and Jesus, respectively[16]

ایڈنگ نے اپنے دعوے کی بنیاد نویں صدی عیسوی کے نصف اول میں لکھی گئی ایک یہودی تصنیف "متكلم المقمس" پر رکھی ہے جس میں کسی پیغمبر کی صداقت کے لیے اسی طرح کے منطقی دلائل کی ایک فہرست پیش کی گئی ہے۔اس کتاب میں یہودی مصنف نے کسی نامعلوم مسیحی مصدر سے نقل کیے ہیں۔اس مسیحی دستاویز کے مصنف کا مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں میں موجود شکوک وشبہات رفع کرنا تھا۔المقمس کے مصنف نے اسی معیار پر مذکورہ منطقی اسلوب میں موسیٰ علیہ السلام اور یہودیت کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[17]۔ابن ربن کا موقف ہے کہ اگر ان معیارات کی بنیاد پر موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو سچا نبی مانا جا سکتا ہے تو پھر یہودیوں اور عیسائیوں کی جانب سے نبی اکرم ﷺ کو ان معیارات کی بنیاد پر برحق پیغمبر تسلیم کرنے میں کون سا امر مانع درپیش ہے؟

مذکورہ تمام معیارات کے لیے ابن ربن نے اپنی کتاب میں ایک ایک باب مختص کیا ہے۔ ان میں سب سے طویل باب جو غالبا کتاب کے نصف حصہ پر مشتمل ہے، سابقہ صحائف کی ان پیش گوئیوں پر مشتمل ہے جو نبی ﷺ کی آمد سے متعلق ہیں[18]۔ اس باب میں ابن ربن نے عہد نامہ عتیق سمیت مکمل بائبل سے ان اقتباسات کو پیش کیا ہے جو ان واقعات کی عکاسی کرتے ہیں جو آپ ﷺ اور اسلام کی آمد کے ساتھ متعلق ہیں۔ دستیاب معلومات کے مطابق ابن ربن اس نوعیت کا تصنیفی کام کرنے والے پہلے مصنف ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید (170ھ /786ء-193ھ /809ء) کے عہد میں ابو الربیع محمد ابن لیث کو بازنطینی حکمران قسطنطین ششم (780ء-797ء) کے ہاں بطور سفیر بھیجا گیا تھا جہاں ابن لیث نے شاہ روم کو اسلام کی دعوت دی اور اس کو قائل کرنے کے لیے بائبل میں موجود آپ ﷺ کی آمد کی پیش گوئیوں کی نشاندہی کی تھی[19]۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن لیث نے پہلے سے عربی زبان میں تیار شدہ ایسی ہی کسی دستاویز سے مدد لی ہو گی۔ روایت میں منقول تفصیلات کے مطابق ابن اللیث نے عہد نامہ عتیق کے مندرجہ ذیل فقرات کو بطور حجت پیش کیا تھا:

- کیونکہ خداوند نے مجھے یوں فرمایا کہ جانگہبان بٹھا۔ وہ جو کچھ دیکھے سو بتائے۔ اس نے سوار دیکھے جو دو دو آتے تھے اور گدھوں اور اونٹوں پر سوار۔ اور اس نے بڑے غور سے سنا۔ تب اسنے شیر کیسی آواز سے پکارا اے خداوند! میں اپنی دید گاہ پر تمام دن کھڑا رہا اور میں نے ہر رات پہرے کی جگہ پر کاٹی۔ اور دیکھ سپاہیوں کے غول اور انکے سوار دو دو کر کے آتے ہیں۔ پھر اس نے یوں کہا کہ بابل گر پڑا گر پڑا اور اسکے معبودوں کی سب تراشی ہوئی مورتیں بالکل ٹوٹی پڑی ہیں[20]۔
- دیکھو میرا خادم جسکو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلائیگا اور نہ شور کریگا اور نہ بازاروں میں اسکی آواز سنائی دیگی۔ وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑیگا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائیگا۔ وہ راستی سے عدالت کریگا۔ وہ ماندہ نہ ہو گا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے۔ جزیرے اسکی شریعت کا انتظار کرینگے[21]۔
- خُداوند کی حمد کرو۔ خُداوند کے حضُور نیا گیت گاؤ۔ اور مُقدسوں کے مجمع میں اُسکی مدح سرائی کرو۔ اِسرائیل اپنے خالق میں شادمان رہے۔ فرزندانِ صیُون اپنے بادشاہ کے سبب سے شادمان ہوں۔ وہ ناچتے ہوئے اُسکے نام کی ستایش کریں۔ وہ دف اور ستار پر اُسکی مدح سرائی کریں۔ کیونکہ خُداوند اپنے لوگوں سے خُوشنود رہتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشیگا۔ مُقدس لوگ جلال پر فخر کریں۔ وہ اپنے بِستروں پر خُوشی سے نغمہ سرائی کریں۔ اُنکے مُنہ میں خُدا کی تمجید اور ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہو۔ تاکہ قوموں سے انتقام لیں اور اُمتوں کو سزا دیں۔ اُنے بادشاہوں کا زنجیروں سے جکڑیں اور اُنکے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں۔ تاکہ اُنکو وہ سزا دیں جو مرقوم ہے۔ اُسکے سب مُقدسوں کو یہ شرف حاصل ہے۔ خُداوند کی حمد کرو[22]۔
- اور اُس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا، وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا اُسکے دہنے ہاتھ پر اُنکے لیے آتشی شریعت تھی[23]۔

عہد نامہ جدید کے بعض حوالوں کے علاوہ ابن ربن نے عہد نامہ قدیم کے عبرانی نسخے سے زیادہ اقتباسات اخذ کیے ہیں۔ ان میں کتاب پیدائش، خروج، گنتی، استثناء، زبور، یسعیاہ، ہوسیع، میکاہ، حبقوق، صفنیاہ، زکریا، یرمیاہ، عزاکیل اور دانیال کی کتابیں قابل ذکر ہیں۔ ابن ربن چونکہ نسطوری پس منظر رکھتے تھے اس لیے وہ جانتے تھے کہ ان کے پیش کردہ اقتباسات میں سے اکثر

اقتباسات کو مسیحی علماء اس سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے ثبوت کے طور پر پیش کر چکے تھے۔ اس لیے زیادہ تر اقتباسات کے ضمن میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ اقتباسات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے لیے زیادہ قرین قیاس کیوں ہیں۔ ابن ربن نے سریانی زبان میں موجود عہد عتیق کے اہم جملوں کے الفاظ پر لغوی بحث بھی کی ہے۔ مثلاً زبور میں مذکور ایک جملے میں موجود[24] ایک لفظ کا عربی مادہ حمد ہے اور ابن ربن نے اس کا عربی میں ترجمہ یوں کیا ہے کہ "ان ربنا اعظم محمود جدا" یعنی "ہمارا خدا بہت عظیم ہے اور وہ بہت زیادہ تعریف کیا گیا ہے"۔ تعریف کیا گیا" محمود "ابن ربن کے مطابق اسی معنی و مفہوم کا حامل ہے جو کلمہ "محمد" میں پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ لفظ نبی اکرم ﷺ کے لیے ہی لائق انطباق ہے[25]۔ یہ استدلال صرف ان عیسائیوں کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا جو صحائف کو سریانی زبان میں پڑھتے ہیں۔ ابن ربن نے عبرانی زبان میں نبی اکرم ﷺ کے نام کی اصل تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ سریانی کلمہ "SH-B-H" کا عربی ترجمہ "حمد" کرنے کی ابتداء ابن ربن نے نہیں کی تھی بلکہ ان سے قبل ابن اللیث سے منسوب دستاویز میں اتفاق سے یہی ترجمانی مذکور ہے۔ البتہ ابن ربن نے اس کو زیادہ وسیع پیمانے پر استعمال کرتے ہوئے نبی ﷺ سے منسوب ان ناموں کی ایک فہرست بھی پیش کی ہے جو سابقہ صحائف میں مذکور ہیں۔ ابن ربن کا دعویٰ ہے کہ بائبل میں نہ صرف نبی اکرم ﷺ کے اسماء بلکہ آپ ﷺ کے جسمانی خدوخال کا ذکر بھی موجود ہے۔ ابن ربن نے نبی ﷺ کے کاندھے پر موجود تل کے نشان (جس کو مہر نبوت بھی کہا جاتا ہے[26]) کو یسعیاہ کے مندرجہ ذیل معروف فقرے کا مصداق قرار دیا ہے: "کیوں کہ ایک بچہ ہم لوگوں کے لئے پیدا ہوا ہے۔ ایک بچہ ہم لوگوں کو دیا گیا ہے اور حکمرانی کرنے کا اختیار اسکی ذمہ داری ہے۔ اس کا نام تعجب خیز مشیر، قوت والا خدا، ہمیشہ رہنے والا باپ اور سلامتی شہزادہ ہو گا[27]"۔

ایک دوسرے طریقے سے ابن ربن سابقہ صحائف میں نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے علم الاعداد کا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ یہ ایک معروف موقف ہے کہ عربی کے تمام حروف تہجی عددی قدر رکھتے ہیں۔ ابن ربن کے خیال میں دانیال نبی کی کتاب[28] میں 1335 ایک بظاہر پر اسرار عدد ہے لیکن یہ نبی اکرم ﷺ کا حوالہ ہے۔ "محمد خاتم الانبیاء مہدی مجید" کی عددی قدر 1335 ہے[29] ابن ربن جانتے ہوئے کہ ان کی توضیح کثیر الجہت مفاہیم اختیار کر سکتی ہے اس لیے وہ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ اس عدد کو دیگر شخصیات پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے لیکن دیگر انبیاء کی شہادتوں اور بائبل میں موجود تمام پیش گوئیوں کے تناظر میں اس کو دیکھا جائے تو یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی ہی بشارت ثابت ہوتی ہے[30]۔ ابن ربن کے مطابق صحرا سے اسلام کا ابھرنا اور پوری دنیا پر چھا جانا، عربی زبان کا عالمی سطح پر مقبولیت پالینا، روئے زمین کے کونے کونے سے لوگوں کا حج کے لیے مکہ کی جانب رختِ سفر باندھنا، اقوام عالم کا مسلمان حکمرانوں کے سامنے سرنگوں ہونا وغیرہ بائبل میں مذکور ہے۔ اس ضمن میں ابن ربن نے صحرا سے اسلام کے ابھرنے کو بائبل کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے ثابت کیا ہے:

- اور خُدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہُوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا[31]۔
- اور اُس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا، وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا اُسکے دہنے ہاتھ پر اُنکے لیے آتشی شریعت تھی[32]۔
- بیابان اور اسکی بستیاں۔ قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اسکی ثناخوانی کریں[33]۔

- اور دیکھ سپاہیوں کے غول اور انکے سوار دو دو کر کے آتے ہیں۔ پھر اس نے یوں کہا کہ بابل گر پڑا گر پڑا اور اسکے معبودوں کی سب تراشی ہوئی مورتیں بالکل ٹوٹی پڑی ہیں[34]۔
- بیابان اور ویرانہ شادمان ہونگے اور دست خوشی کریگا اور نرگس کی مانند شگفتہ ہوگا[35]۔
- محتاج اور مسکین پانی ڈھونڈتے پھرتے ہیں پر نہیں ملتا۔ انکی زبان پیاس سے خشک ہے میں خداوند انکی سنونگا۔ میں اسرائیل کا خدا انکو ترک نہ کرونگا۔ میں ننگے ٹیلوں پر نہریں اور وادیوں میں چشمے کھولونگا صحرا کو تالاب اور خشک زمین کو پانی کا چشمہ بنادونگا۔ بیابان میں دیوادر اور ببول اور آس اور زیتون کے درخت لگاؤنگا۔ تاکہ وہ سب دیکھیں اور جانیں اور غور کریں اور سمجھیں کہ خداوند ہی کے ہاتھ نے یہ بنایا اور اسرائیل کے قدوس نے یہ پیدا کیا[36]۔
- جنگلی جانور گیدڑ اور شتر مرغ میری تعظیم کرینگے کیونکہ میں بیابان میں پانی اور صحرا میں ندیاں جاری کرونگا تاکہ میرے لوگوں کے لیے یعنی میرے برگزیدوں کے پینے کے لیے پانی ہو۔ میں نے ان لوگوں کو اپنے لیے بنایا تاکہ وہ میری حمد کریں[37]۔
- ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے عرب کی بے آب و گیاہ زمین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کو برکت دی جائے گی[38]۔
- اسی سرزمین کو خوش خبری دی گئی ہے کو اس کو دولہن کی مانند سجادیا جائے گا[39]۔
- میں نے بیابان میں یعنی خُشک زمین میں تیری خبر گیری کی[40]۔
- خُدا تیمان سے آیا اور قدوس کوہ فاران سے۔ سلاہ: اس کا ہاتھ جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہو گی۔ اس کی جگمگاہٹ نُور کی مانند تھی اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں اور اس میں اس کی قدرت نہاں تھی۔ وبا اس کے آگے آگے چلتی تھی اور آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے تھے۔ وہ کھڑا ہوا اور زمین تھرا گی۔ اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہو گیئں۔ ازلی پہاڑ پارہ پارہ ہو گئے۔ قدیم ٹیلے جھک گئے۔ اس کی راہیں ازلی ہیں۔ میں نے کوشن کے خیموں کو مصیبت میں دیکھا۔ ملک مدیان کے پردے ہل گئے۔ اے خُداوند! کیا تو ندیوں سے بیزار تھا؟ کیا تیرا قہر دریاوں پر تھا؟ کیا تیرا غضب سمندر پر تھا کہ تو اپنے گھوڑوں اور فتح یاب رتھوں پر سوار ہوا؟ تیری کمان غلاف سے نکالی گئی تیرا عہد قبائل کے ساتھ استوار تھا۔ سلاہ: تو نے زمین کو ندیوں سے چیر ڈالا۔ پہاڑ تجھے دیکھ کر کانپ گئے۔ سیلاب گزر گے۔ سمندر سے شور اُٹھا اور موجیں بُلند ہوئیں۔ تیرے اُڑنے والے تیروں کی روشنی سے تیرے چمکیلے بھالے کی جھلک سے آفتاب و مہتاب اپنے بُرجوں میں ٹھہر گئے۔ تو غضبناک ہو کر ملک میں سے گزرا۔ تو نے قہر سے قوموں کو پایمال کیا۔ تو اپنے لوگوں کی نجات کی خاطر نکلا۔ ہاں اپنے ممسوح کی نجات کی خاطر۔ تو نے شریر کے گھر کی چھت گرادی اور اس کی بُنیاد بالکل کھود ڈالی[41]۔
- تیری ماں اس تاک سے مشابہ تھی جو تیری مانند پانی کے کنارے لگائی گئی۔ وہ پانی کی فراوانی کے باعث بارور اور شاخدار ہوئی۔ اور اسکی شاخیں ایسی مضبوط ہو گئیں کہ بادشاہوں کے عصا ان سے بنائے گئے اور گھنی شاخوں میں اس کا تنہ بلند ہوا اور وہ اپنی گھنی شاخوں کے باعث اونچی دکھائی دیتی تھی۔ لیکن وہ غضب سے اکھاڑ کر زمین پر گرائی گئی اور پوربی ہوا نے اس کا پھل خشک کر ڈالا اور اسکی مضبوط ڈالیاں توڑی گئیں اور آگ سے بھسم ہوئیں۔ اور اب وہ بیابان میں سوکھی اور پیاسی زمین میں لگائی گئی۔ اور ایک چھڑی سے جو اس کی ڈالیوں سے بنی تھی آگ نکل کر اس کا پھل کھا گئی اور اسکی کوئی ایسی مضبوط ڈالی نہ رہی کہ سلطنت کا عصا ہو۔ یہ نوحہ ہے اور نوحہ کے لئے رہے گا[42]۔

ابن ربن کی جانب سے عربی زبان کے عروج اور اس کی ترقی کو اسلام کی حقانیت کی دلیل کے طور پر بائبل کے مندرجہ ذیل حوالوں کی مدد سے پیش کیا گیا ہے:

- پس خُداوند فرماتا ہے میرے مُنتظر رہو جب کہ میں لوٹ کے لے نہ اُٹھوں کیونکہ میں نے ٹھان لیا ہے کہ قوموں کو جمع کرو اور مملکتوں کو اکٹھا کروں تا کہ اپنے غضب یعنی تمام قہر شدید کو اُن پر نازل کروں کیونکہ میری غیرت کی آگ ساری زمین کو کھا جائے گی۔ اور میں اُس وقت لوگوں کے ہونٹ پاک کر دُوں گا تا کہ وہ سب خُداوند سے دُعا کریں اور ایک دل ہو کر اُس کی عبادت کریں۔ کُوش کی نہروں کے پار سے میرے عابد یعنی میری پراگندہ قوم میرے لے ہدیہ لائے گی[43]۔
- میں بُزرگوں کے پاس جاؤنگا اور اُن سے کلام کرونگا کیونکہ وہ خداوند کی راہ اور اپنے خدا کے احکام کو جانتے ہیں لیکن اِنہوں نے جوا بالکل توڑ ڈالا اور بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اِسلئے جنگل کا شیر ببر اُنکو پھاڑیگا۔ بیابان کا بھیڑیا اُنکا ہلاک کریگا۔ چیتہ اُنکے شہروں کی گھات میں بیٹھا رہیگا۔ جو کوئی اُن میں سے نکلے پھاڑا جائیگا کیونکہ اُنکی سرکشی بہت ہُوئی اور اُنکی برگشتگی بڑھ گئی۔ میں تجھے کیونکر مُعاف کروں؟ تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور اُنکی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں جب میں نے اُنکو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھکر قحبہ خانوں میں اِکٹھے ہُوئے۔ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے۔ ہر ایک صُبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے کیا میں اِن باتوں کے لئے سزا نہ دُونگا اور کیا میری رُوح اَیسی قوم سے اِنتقام نہ لیگی؟۔ اُسکی دِیواروں پر چڑھ جاؤ اور توڑ ڈالو لیکن بالکل برباد نہ کرو۔ اُسکی شاخیں کاٹ دو کیونکہ وہ خداوند کی نہیں ہیں۔ اِسلئِے کہ خداوند فرماتا ہے اِسرائیل کے گھرانے اور یہوداہؔ کے گھرانے نے مجھ سے نہایت بیوفائی کی۔ اُنہوں نے خداوند کا اِنکار کیا اور کہا کہ وہ نہیں ہے۔ ہم پر ہرگز آفت نہ آئیگی اور تلوار اور کال کو ہم نہ دیکھینگے۔ اور نبی محض ہوا ہو جائینگے اور کلام اُن میں نہیں ہے۔ اُنکے ساتھ اَیسا ہی ہو گا۔ پس اِسلئے کہ تم یوں کہتے ہو خداوند ربُ الافواج یُوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں اپنے کلام کو تیرے مُنہ میں آگ اور اِن لوگوں کو لکڑی بناؤنگا۔ اور وہ اِنکو بھسم کر دیگی۔ اَے اِسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤنگا خداوند فرماتا ہے۔ وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے۔ وہ اَیسی قوم ہے جسکی زبان تو نہیں جانتا اور اُنکی بات کو تو نہیں سمجھتا[44]۔

ابن رب نے نبی اکرم ﷺ کی فتوحات اور آپ ﷺ کی نیابت کے ضمن میں بائبل کی مندرجہ ذیل آیات پیش کی ہیں:

- تُو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے۔ اِس لئے خُدا نے تجھے ہمیشہ کے لئِے مُبارک کیا۔ اَے زبردست! تُو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر۔ اور سچائی اور حِلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان و شُوکت میں اِقبالمندی سے سوار ہو اور تیرا دہنا ہاتھ تجھے مُہیب کام دِکھائے گا۔ تیرے تیر تیز ہیں۔ وہ بادشاہ کے دُشمنوں کے دِلوں میں لگے ہیں۔ اُمتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں[45]۔
- صِیُون سے جو حُسن کا کمال ہے خُدا جلوہ گر ہوُا ہے۔ ہمارا خُدا آئیگا اور خاموش نہیں رہے گا آگ اُس کے آگے آگے بھسم کرتی جائیگی اور اُس کے چاروں طرف بڑی آندھی چلیگی۔ اپنی اُمت کی عدالت کرنے کے لئے وہ آسمان و زمین کو طلب کرے گا۔ کہ میرے مُقدسوں کو میرے حضور جمع کرو جنہوں نے قُربانی کے ذریعہ سے میرے ساتھ عہد باندھا ہے[46]۔

- اُس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک، دریائے فرات سے مغربی ساحلی زمین تک پھیلے۔ بیاباں کے لوگ اُس کے آگے جھکیں گے۔ اور اس کے سب دشمن اُس کے آگے اوندھے مُنہ گریں گے اور کیچڑ پر جھکیں گے۔ ترسیس کے بادشاہ اور دوسرے جزیرے اُس کے لئے نذرانہ پیش کریں۔ شیبا کے بادشاہ اور سبا کے بادشاہ اُس کے تحفے پیش کریں۔ سب بادشاہ ہمارے بادشاہ کے آگے جھکیں۔ ساری قومیں اُس کی خدمت کرتی رہیں گی۔ ہمارا بادشاہ بے سہاروں کا مددگار ہے۔ ہمارا بادشاہ غریبوں اور مسکینوں کو سہارا دیتا ہے [47]۔

کیونکہ رب الافواج کا دن تمام مغروروں، بُلند نظروں اور مُتکبروں پر آئیگا اور وہ پست کیئے جائینگے۔ اور لُبنان کے سب دیوداروں پر جو بُلند اور اونچے ہیں اور بسن کے سب بلوطوں پر۔ اور سب اونچے پہاڑوں اور سب ٹیلوں پر۔ اور ہر ایک اونچے بُرج پر اور ہر ایک فصیلی دیوار پر۔ اور ترسیس کے سب جہازوں پر غرض ہر ایک خوشنما منظر پر۔ اور آدمی کا تکبر زیر کیا جائیگا اور لوگوں کی بُلند بینی پست کی جائیگی اور اُس روز خداوند ہی سربُلند ہوگا۔ اور تمام بُت بالکل فنا ہونگے۔ اور جب خداوند اُٹھیگا کہ زمین کو شدت سے ہلائے تو لوگ اُسکے ڈر سے اور اُسکے جلال کی شوکت سے پہاڑوں کے غاروں میں اور زمین کے شگافوں میں گھسیں گے [48]۔

ان دلائل کی بنیاد پر ابن ربن اپنے قارئین کو پوری خود اعتمادی کے ساتھ دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان واضح دلائل کو قبول کریں اور وہ اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے قارئین جب ان کی دعوت کو قبول کریں گے تو ان کے لیے قبولیتِ اسلام کے راستے کھلتے چلے جائیں گے [49]۔ اس کے بعد انھوں نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ لوگ جو ان واضح ثبوتوں کو مسترد کرنے پر بضد ہیں وہ بہرے اور اندھے ہیں۔ ان کا دنیا و آخرت میں انجام کار انتہائی عبرت ناک ہوگا [50] ان کو کبھی نہ ختم ہونے والی شرم ساری، مستقل پچھتاوا اور ہمیشہ ملنے والی اذیت حاصل ہو گی [51]۔ ابن ربن یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ دنیا کو ایک نئی وحی کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ تورات کی تعلیمات کو ترامیم و تحریفات سے مسخ کر دیا گیا تھا [52] اور اس میں ایسی باتیں شامل کر دی گئی تھیں جن سے خدا محض جبار و قہار کی صورت میں سامنے آتا ہے جب کہ قرآن مجید اس کے رحم و کرم کی صفات پر ایمان لانے پر بھی زور دیتا ہے [53]۔

اس کے علاوہ تورات میں ایک مخصوص قوم کے تاریخی حالات بیان کیے گئے ہیں اور اسی قوم کے بارے میں تعلیمات صادر کی گئی ہیں۔ یہ کتاب بین الاقوامی سطح کی تعلیمات سے عاری ہے اور کل انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرنے سے قاصر ہے [54]۔ تورات کے برعکس اناجیل اربعہ کو ابن ربن نے حکمت و دانائی اور اخلاقی تعلیمات سے معمور قرار دیا ہے اور ان کی توصیف کی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اناجیلِ اربعہ میں شریعت سے متعلق تعلیمات مفقود ہیں۔ زبور میں مذکور مزامیر کے بارے میں ابن ربن کا موقف ہے کہ اس کی مناجات میں خوبصورتی ہے لیکن جب ان کو شریعت کی میزان پر پرکھا جاتا ہے تو قانونی امور اور دستور العمل کے حوالے سے یہ ناکافی ٹھہرتی ہیں۔ یرمیاہ اور یسعیاہ کی کتابیں بھی قہر و غضب کے پیغامات سے بھری ہوئی ہیں [55] ابن ربن کے مطابق قرآن مجید نہ صرف قانون اور دستور العمل سے متعلق وہ تمام جامع تعلیمات فراہم کرتا ہے جو تورات میں بھی موجود ہیں بلکہ ان کو منطقی اسلوب میں انسانی ضروریات کے ساتھ ہم آہنگ بھی بناتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید پہلی کتب کو منسوخ قرار دیتے ہوئے ایک ایسا مذہبی نظام وضع کرتا ہے جو آسان ہے اور غیر ضروری بندشوں کا سدباب بھی کرتا ہے [56]۔ لہٰذا انسان اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار اسی صورت میں بن سکتا ہے اگر وہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا فرماں بردار بنتا ہے [57]۔

اگرچہ ابن ربن کی "کتاب الدین والدولۃ" کے اساسی مخاطبین نصاریٰ ہیں لیکن اس میں یہود کے بارے میں بھی واضح مناظرانہ مباحث موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ابن ربن نے کچھ ایسے سوالات بھی کھڑے کیے ہیں جن کا تعلق یہود و نصاریٰ

دونوں کے ساتھ ہے۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ عبرانی بائبل یعنی عہد نامہ عتیق پر دونوں ایمان رکھتے ہیں۔ عبرانی بائبل کی بنیاد پر سامنے آنے والے زیادہ تر مباحث کا رخ یہودیوں کی جانب ہے۔ یہودیوں پر ابن ربن کا اہم اعتراض یہی ہے کہ ان کے مذہب میں عالمگیریت کا عنصر مفقود ہے[58]۔ یہی نقص یہودیوں کو طاقت اور قوت واقتدار سے محروم کرنے کا بنیادی سبب ہے اور اسی وجہ سے وہ نہ صرف عسکری اعتبار سے کمزور پڑ گئے ہیں بلکہ اللہ تعالی کی رحمت سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ اب یہ قوت واقتدار اور طاقت ایک دوسری امت کو دے دیا گیا ہے اور اس امت کو مسلمان امت سے موسوم کیا گیا ہے[59]۔ ابن ربن اپنے دعاوی کے جواب میں یہودیوں کے رد عمل کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہودی اپنے تئیں برحق تصور کرتے ہیں۔ وہ دھوکے میں مبتلا ہو کر اپنے لیے گناہ کے بوجھ میں اضافہ کر رہے ہیں اور ایک ایسی راہ پر چل رہے ہیں جو مکمل طور پر دھندلی ہے[60]۔ مصنف کا یہودیوں کے ساتھ رابطہ یا تعامل تھا یا نہیں، اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں جو چیز قابل غور ہے اور کتاب کے مطالعہ کے دوران نمایاں ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ابن ربن کے پاس عبرانی زبان کی مبادیات کا فہم تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو یہ معلومات ان نو مسلموں سے حاصل ہوئی ہوں جو پہلے یہودی تھے۔

اگرچہ ابن ربن یہ جانتے تھے کہ تورات کے ہفتادی، سریانی اور عبرانی نسخوں میں تضادات موجود ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے تورات کی استنادی حیثیت پر اس طرح سوالات نہیں اٹھائے جس طرح امام ابن حزم نے اٹھائے تھے۔ ابن ربن نے شروع میں یہودیوں پر یہ اعتراض ضرور کیا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی آمد کی پیش گوئی کو چھپانے کا ارتکاب کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے تورات کے ان فقروں میں تحریف کی ہے جن میں آپ ﷺ کے بارے میں تفصیلات مذکور تھیں۔ ابن ربن تورات میں تحریف بالمعنیٰ کے قائل تھے، انھوں نے تحریف فی المتن پر گفتگو نہیں کی ہے۔ مستشرق مارگولیتھ کے مطابق تحریف فی المتن کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے ہی غالباً ابن ربن کی کتاب کو مسلمان دنیا میں مجموعی طور پر مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ اسی وجہ یہ ان کی کتاب جدید عہد تک محض مسودے کی صورت میں پہنچی ہے[61]۔ تاہم اس کی ایک توضیح یہ بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر حرفِ آخر نہیں تھی بلکہ ابن ربن کے بعد ابن قتیبہ نے اسی پہلو پر اپنی کتاب پیش کی جس میں غیر مسلموں کے بجائے مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا تھا اس لیے مسلمانوں کی زیادہ توجہ ابن قتیبہ کی کتاب کی جانب مبذول ہو گئی تھی۔

ابن قتیبہ

ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ (37)213ھ/838ء کو غالباً کوفہ میں پیدا ہوئے تھے اور آپ فارسی النسل تھے۔ آپ کی علمی وفکری تربیت پر اثر انداز ہونے والے علماء روایت پسند تھے۔ اس لیے آپ نے اپنی پہلی کتاب مخصوص قرآنی آیات اور احادیث کی لغوی واصطلاحی وضاحت پر لکھی جس کی وجہ سے ان کو اہل السنۃ کے عقائد کے احیاء کا موقع ملا۔ 236ھ/851ء سے 256/870ء تک آپ کو قاضی کا عہدہ دیا گیا تھا جس کے بعد آپ بغداد تشریف لے گئے اور وہاں تصنیف وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ اگرچہ ابن قتیبہ کے ایک جدید سوانح نگار اسحاق موسیٰ حسینی نے ان کو مذہبی جنونی[62] اور ان کے شدید ناقد مستشرق چارلس پیلاٹ (Charles Pellat) نے ان کو تنگ ذہن جوابی حملہ آور قرار دیا ہے[63] لیکن غیر اسلامی مصادر کے بارے میں ان کا منہج وسعت کا حامل تھا۔ ان کی تصنیفات میں نہ صرف بائبل کے حوالے ملتے ہیں بلکہ مابعد بائبلی ادب پر بھی ان کا عبور نظر آتا ہے۔ ابن قتیبہ غالباً پہلے مسلمان محقق ہیں جو تورات کے اقتباسات کی روشنی میں انبیاءِ بنی اسرائیل کی سوانح و خدمات کا ذکر کرتے ہیں اور ان پر وقیع تبصرہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے کتاب پیدائش کے زیادہ حوالے پیش کیے ہیں۔ وہ تورات

کا حوالہ دیتے وقت عموماً یہ بتاتے ہیں کہ "یہ میں نے تورات میں دیکھا ہے" یا "تورات میں یہ کہا گیا ہے" اور حیرت انگیز طور پر ان کے تمام حوالے درست ہیں۔ اس ضمن میں ان کی "کتاب المعارف" سب سے زیادہ قابلِ غور ہے[64]۔ جس کو عمومی ثقافت کا ایک موسوعہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں قبل از اسلام کے حالات پر تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر اس کا اسلوب مناظرانہ نہیں ہے البتہ ایک مقام پر ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ تورات کو جلا دیا گیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ: "عزیر علیہ السلام جب شام کی طرف لوٹے تو یہودیوں کو تورات کا کچھ علم نہیں تھا کیونکہ وہ جلا دی گئی تھی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس کو دوبارہ لکھوایا تھا۔ اب یہودیوں کا ایک گروہ عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتا ہے[65]"۔

تورات کے گم ہو جانے کے بارے میں پہلا بیان غالباً بالواسطہ اپوکریفائی کتاب "2 ایسدرس" کی جانب اشارہ کرتا ہے جس کو مسلمانوں میں وسیع پیمانے پر مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ یہودی عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں[66]۔ ابن قتیبہ کو اس کے پیچھے یہی وجہ نظر آتی ہے کہ عزرا/عزیر علیہ السلام نے تورات کو یہودیوں میں دوبارہ متداول کیا تھا[67]۔ کتاب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن قتیبہ کا موقف ہے کہ تاریخ کے ایک خاص موڑ پر تورات کے گم ہو جانے سے بطور ایک تاریخی اور الہامی صحیفے کے، اس کی استنادی حیثیت متاثر نہیں ہوتی ہے۔ بظاہر ان کے لیے تحریف کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا۔ ان کا بھی ایمان ہے کہ تورات میں نبی اکرم ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور ان میں یسعیاہ کی کتاب بطور خاص زیر غور رہنے کی متقاضی ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ "اس کتاب (یسعیاہ) کے مصنف پر سلام ہو جس نے نبی اکرم ﷺ کی آمد کی پیش گوئی بیان کی ہے[68]"۔ ابن قتیبہ نے "دلائل النبوۃ" کے عنوان سے ایک باب باندھنے کے بعد اس میں آپ ﷺ کی بعثت سے متعلق تورات میں مذکور تمام پیشین گوئیاں ترتیب کے ساتھ لکھی ہیں۔ ابن قتیبہ کا یہ کام ہم تک نہیں پہنچ سکا ہے البتہ ان کے بعد آنے والے علماء نے ان کے کام کی باقیات اپنی تصنیفات میں شامل رکھی ہیں۔ ان میں ابن القیم الجوزیہ، ابن الجوزی اور ابن حزم وغیرہ شامل ہیں۔ ان باقیات کا مطالعہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ رسالت محمدی ﷺ کے لیے تورات کے دلائل جمع کرنے میں ابن قتیبہ کا وہی اسلوب تھا جو ابن ربن نے الدین والدولۃ میں اپنایا تھا۔ دونوں کے پیش کردہ دلائل کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مجموعی طور پر موافقت پائی جاتی ہے۔

ابن قتیبہ یہ بیان نہیں کرتے کہ آیا انھوں نے ابن ربن کے کام سے استفادہ کیا ہے یا نہیں لیکن وہ محض بائبل سے متن کو نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ "الدین والدولۃ" سے یکسر مختلف اسلوبِ نگارش اپناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے زبانی اور دستاویزی مصادر سے استفادہ کیا تھا جس کی بنا پر ان کے کام میں اضافی چیزیں بھی ملتی ہیں۔ ابن قتیبہ کے باب دلائل النبوۃ میں تین مقامات پر تورات کے نسخ کا ذکر ملتا ہے۔ دو مقامات کتاب پیدائش[69] میں ہیں جن کے مطابق اسماعیل علیہ السلام کی پشت سے ایک عظیم نسل پیدا ہو گی۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ: "جب خدا کے رسول کو مبعوث کیا گیا تو نبوت کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں رکھ دیا گیا تھا۔ بادشاہوں نے ان کی بیعت کی اور اقوامِ عالم نے ان کی اتباع کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے ہر ایک قانون کو منسوخ قرار دیا۔ ان پر ختم نبوت کی مہر لگا دی اور قیامت تک خلافت کو ان کے اہلِ بیعت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے[70]۔ اس کے بعد نسخ کا دوسرا حوالہ یسعیاہ[71] کی کتاب کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے جس کا ذکر زیادہ تر مسلمانوں کی تصنیفات میں کیا گیا ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ: "محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی ہیں جو نہ تو ماند پڑے گی اور نہ ہی آپ ﷺ کو شکست دی جا سکتی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ میری دلیل کو زمین پر قائم کریں۔ ان کے ہوتے ہوئے ہر ایک حیلہ رک جائے گا اور ان کی تورات کے سامنے جنات بھی سر تسلیم خم کریں گے[72]"۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ: "اب یہ ان کے نام اور ان کے خصائص کا واضح حوالہ ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ ان (ﷺ) کے پاس کون سی تورات تھی؟ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے

کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ (ﷺ) ایک ایسی کتاب لے کر آئیں گے جو رمہاری کتاب تورات کی جگہ لے لے گی[73]"۔ آخر میں ابن قتیبہ نے کعب الاحبار سے منسوب ایک قصہ نقل کیا ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عہد نبوی میں یہودیوں میں سے مسلمان ہونے والے وہ پہلے شخص تھے۔ اس قصے کے مطابق: "جب بیت المقدس نے اپنی بربادی پر اللہ کے سامنے نوحہ پیش کیا تو اس کو جواب میں کہا گیا کہ ہم تمہیں تورات کے بدلے میں نئی تورات دیں گے اور ایسے نئے حکمران دیں گے جو اپنے عقابوں کے پروں کو گھروں پر پھیلا دیں گے۔ اس کے بعد وہ اس شہر کو اس طرح محبت سے دیکھیں گے جس طرح ایک فاختہ اپنے انڈوں کو دیکھتی ہے۔ وہ تمہیں اپنے ان سپاہیوں کے ساتھ بھر دیں گے جو عبادت میں اپنے سر جھکا کر رکھیں گے[74]۔"

یہودی صحائف کے لیے اپنے تمام تر احترام کے باوجود ابن قتیبہ بین السطور تنقیدی اسلوب اختیار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے ہیں۔ اپنی کتاب "تاویل مختلف الحدیث" میں اس کی نمایاں نظیر ملتی ہے جس میں علم مختلف الحدیث زیر بحث ہے۔ اس کتاب میں ابن قتیبہ نے قران مجید کی روشنی میں یہودی شریعت کے بارے میں اپنے افکار بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ یہودی شریعت بنی اسرائیل کے لیے بوجھ تھی۔ اسلام نے آکر اس کو منسوخ کر کے انسانوں کے لیے آسانی پیدا فرمائی ہے[75]۔ انھوں نے ایسی روایات پیش کی ہیں جن کی روشنی میں شادی اور رقص اچھی چیز ہے تاکہ یہودی یہ گمان کریں گے ان کا مذہب سختی پر مبنی ہے اور صرف اسلام میں ان کاموں کی اجازت ہے[76]۔ ابن قتیبہ عملی زندگی میں یہودیوں کے ساتھ اپنے کسی تعلق کے بارے میں ذکر نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے ایک مقام پر اہل کتاب کے کسی فرد کے ساتھ اپنی ہونے والی گفتگو کا ذکر کیا ہے جو غالبا یہودی تھا لیکن اس کے عیسائی ہونے کے امکانات بھی ہیں[77]۔ وہ ایک ایسے یہودی کا ذکر کرتے ہیں جس نے ایک مرتبہ ان کو تورات کے ایک اقتباس میں موجود الفاظ کے تلفظ سے آگاہ کیا تھا اور اس اقتباس کے بارے میں ابن قتیبہ کا موقف ہے کہ وہ رسول ﷺ کے بارے میں ایک اہم حوالے پر مشتمل تھا[78]۔ اگرچہ حسینی اور Pellat نے ابن قتیبہ کو تنگ ذہن اور جنونی مذہبی قرار دیا ہے لیکن ان الزامات کے باوجود کتاب کے مضامین اور مواد کو مد نظر رکھتے ہوئے اس امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابن قتیبہ کی یہودیوں کے ساتھ ملاقات ہوئی ہو گی اور انھوں نے جو مواد پیش کیا ہے اس میں ان کا یہودیت سے متعلق مشاہدہ شامل تھا۔ اس لیے وہ نہ تو مذہبی جنونی تھے اور نہ ہی ان کے مزاج میں کسی قسم کا تعصب کار فرما تھا۔

طبری

علوم اسلامیہ کے دو اہم تصنیفی کارناموں کا سہرا امام طبری امام طبری[79] کے سر پر سجا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک قرآن مجید کی تفسیر "جامع الابیان فی تاویل ای القرآن" المعروف بہ تفسیر طبری ہے اور دوسرا "تاریخ الرسل والملوک" ہے۔ مقالہ ہذا میں تفسیر طبری تک بحث کو محدود رکھا گیا ہے۔ تفسیر طبری انتہائی قابل قدر ہے کیونکہ یہ اپنے ماقبل مفسرین میں سے زیادہ تر اہل علم کے اقوال کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ ان میں سے صحابہ کرام سرفہرست ہیں جن میں سے عبد اللہ بن عباس کا نام قابل ذکر ہے۔ صحابہ کے بعد تابعین اور دیگر علماء کے لاتعداد تفسیری اقوال بھی امام طبری نے جمع کیے ہیں۔ امام طبری نے اپنی تفسیر میں تمام تفسیری روایات پیش نہیں کی ہیں۔ انھوں نے کوشش کی ہے کہ صرف صحیح روایات سے استفادہ کیا جائے اور غیر مستند و فرقہ وارانہ تعصبات کو ہوا دینے والی روایات کے اخذ سے گریز کیا جائے۔ تاہم امام طبری کا پیش کردہ مواد انتہائی موزوں اور معقول ہے[80]۔ آپ تفسیری اقوال پیش کرنے کے بعد راجح قول اور رائے کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ لہذا یہودیت اور یہودیوں کے بارے میں ان کے پیش کردہ مواد میں ان کی اپنی آراء و افکار کی نشاندہی کرنا عین ممکن ہے۔ اگر یہودیوں کے کردار اور تورات میں تحریف کے ضمن میں قرآن مجید کی آیات کے تحت امام طبری کی بیان کردہ تاویلات کا معروضی مطالعہ کیا جائے تو امام طبری کے مجموعی فکری نظام کا متعلقہ حصہ سامنے آجاتا ہے۔ امام موصوف کے مطابق خدا نے اسرائیلیوں اور ان

کے اجداد کے ساتھ ایک عہد باندھا جس کے مطابق ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی آمد کی وہ تمام خبریں دنیا کے سامنے پیش کریں جو تورات میں مذکور ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ان پر فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان رکھیں۔انھوں نے نہ صرف اپنی پہلی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ناکامی دکھائی بلکہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی تکذیب بھی کی تھی۔چنانچہ انھوں نے عہد شکنی کر کے خدا کی رحمت سے محرومی اختیار کی جس کی وجہ سے اب وہ جنت میں داخل ہونے کا امکان بھی کھو چکے ہیں[81]۔چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھا ہوا عہد توڑ دیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو دلوں کو پاکیزگی سے محروم کر دیا اور انھوں نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی روحانی تعلیمات میں ترمیم و تحریف کا ارتکاب کیا[82]۔یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی اس وقت نافرمانی کا مظاہرہ کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مجموعی توبہ کرنے کا حکم دیا اور اس کے لیے ان کو مخصوص کلمات سکھائے لیکن جب عملی طور پر توبہ کرنے کا وقت آیا، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سکھائے ہوئے کلمات کو بھی بدل دیا[83]۔امام طبری فرماتے ہیں کہ تحریف کی یہ نوعیت زبانی تھی اور خدا کا تحریری کلام اس سے متاثر نہیں ہوا تھا۔یہی معاملہ ان ستر افراد کے ساتھ تھا جو کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گئے اور ان کو خدا کی گفتگو سننے کا موقع ملا۔جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنی قوم کو خدا کی سنی ہوئی گفتگو میں جھوٹ شامل کر کے غلط خبریں دیں۔لیکن، امام طبری کے واضح بیان کے مطابق ان لوگوں نے تحریری تورات میں کوئی تحریف نہیں کی تھی[84]۔

زبانی تحریف موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہو چکی تھی اور عہد نبوی ﷺ تک مسلسل ہو رہی تھی۔وہ لوگ اپنی من مرضی کی کوئی تحریر لکھ کر ناخواندہ لوگوں کے سامنے اس اسلوب میں پیش کرتے تھے کہ گویا یہ خدا کا کلام ہے[85]۔امام طبری کی تاویل کے مطابق قرآن مجید مسلمانان مدینہ کو خبردار کرتا ہے کہ ان کو اپنے یہودی شہریوں سے ایمان لانے کی توقع نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ان کے اباؤ اجداد نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ خالص تعلیمات کو سن کر ان میں تحریف کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا تھا اس لیے اگر عہد جدید کے یہودی تورات میں آپ ﷺ کے ذکر کو اپنی تاویلات کے ذریعے دھندلا کرنے کی کوشش کریں یا آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی تکذیب کریں تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے[86]۔امام طبری کے مطابق جس طرح اسرائیلیوں کے اجداد نے خدا اور موسیٰ علیہ السلام کی توہین و تکذیب کی تھی اسی طرح عہد نبوی کے یہودیوں کی جانب سے نبی اکرم ﷺ کی تضحیک و توہین اور استہزاء کا ارتکاب کیا گیا تھا۔اس طرح یہودی اپنی سابقہ روش پر قائم رہے تھے[87]۔ان مباحث میں امام طبری نے زیادہ مقامات پر یہودی ربیوں (احبار) کا محاکمہ کیا ہے۔ان کے ارباب مذہب نے جہاں ایک جانب مسلمانوں کے ساتھ فکری محاذ شروع کر رکھا تھا وہاں دوسری جانب اپنے ہم مذہب ناخواندہ لوگوں کو بھی اپنے دینی صحائف کی اصل تعلیمات سے آگاہ نہیں کیا تھا۔جو لوگ مذہبی صحائف کا مطالعہ کر کے ان کو وسمجھنے سے قاصر تھے ان لوگوں کو یہودی احبار نے اکاذیب کا سہارا لے کر اپنی پیروی میں مصروفِ عمل رکھا اور اپنے آپ کو راہِ حق پر سمجھ کر ربیوں کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے۔اسی وجہ سے وہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان کو قبول کرنے سے قاصر رہے تھے[88]۔

عہد نبوی کے یہودی ربی اپنی مذہبی کتب سے آگاہ تھے اور وہ اپنے صحائف میں مذکور ان پیش گوئیوں کو جانتے تھے جن کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی آمد کے ساتھ تھا۔عوام الناس کی جانب سے مذہبی معاملات میں ان پر اعتماد کیا جاتا تھا اس لیے ان کی جانب سے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا انکار یا اقرار انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔اس لیے جب انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تکذیب کی تو حقیقت میں اپنی الہامی کتب کی ہی تکذیب کی تھی[89]۔قرآن مجید میں یہودی ربیوں کو نصیحت کی گئی دنیاوی جاہ و حشمت اور مال و متاع کے لالچ میں کتمان حق کا ارتکاب نہ کریں۔اس کے باوجود ان میں سے کچھ لوگ کتابِ الٰہی یعنی عہد نامہ

عتیق کی تعلیمات کی ایسی تاویلات کرتے تھے جو کلی طور پر ان کی خواہشات کے تحت ہوتی تھیں[90]، اس کے بعد ان تاویلات کو زبان ٹیڑھی کرکے لوگوں کے سامنے اس طرح پڑھتے کہ مسلمان اور غیر مسلم سمجھتے کہ شاید یہ تورات کا ہی کوئی حصہ پڑھ رہے ہیں حالانکہ ان میں سے کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے نازل نہیں کیا ہوتا تھا[91]۔اس طرح وہ کلامِ الٰہی میں ان باتوں کا اضافہ کرتے تھے جو غیر الہامی ہوتی تھیں۔

سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ امام طبری کے مطابق یہ اضافے زبانی ہوتے تھے، تحریری نہیں ہوتے تھے۔جب یہ یہودی اپنی زبانوں کو ٹیڑھا کرتے تھے، تب وہ الفاظ کے حقیقی معانی کو قابلِ اعتراض مفاہیم میں تبدیل کر دیتے تھے تا کہ نبی اکرم ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی تحقیر وتوہین کر سکیں[92] امام طبری یہ واضح کرتے ہیں کے ان کے مطابق کلام الٰہی میں تحریف سے مراد اس کے معانی و مفاہیم میں تبدیلی ہے۔یہ تبدیلی سوچ بچار کر کے عمدا و قصدا کی جاتی ہے[93]۔اس طرح کی تحریف کا ایک مظہر اس وقت سامنے آیا جب مدینہ کے یہودی ایک بدکار جوڑے کو نبی اکرم ﷺ کی عدالت میں لائے تا کہ ان کے بارے میں آپ ﷺ سے فیصلہ کروایا جاسکے۔نبی اکرم ﷺ نے ان کی شریعت یعنی تورات کے مطابق فیصلہ صادر کرنے کا عندیہ دیا، تورات پیش کی گئی، آپ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تورات پڑھ کر بتایا جائے کہ اس کے مطابق اس جرم کی کیا سزا ہے۔تورات میں اس کی سزا رجم تھی لیکن یہودی احبار نے جھوٹ بولتے ہوئے آپ ﷺ کو بتایا کہ تورات کے مطابق اس جرم کی سزا یہ ہے کہ مجرموں کو کوڑے مارے جائیں اور ان کے چہروں پر سیاہ رنگ مل دیا جائے۔جب آپ ﷺ کو اصل حکم معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے مجرموں کو رجم کرنے کا حکم دیا۔اس وقت ربیوں نے زنا کی سزا کے خدائی حکم کو تبدیل کر کے پیش کرتے ہوئے تحریف کا ارتکاب کیا تھا[94]۔تاہم جب قرآن کہتا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ دوسرے کے ساتھ کفر کرتے ہیں تو امام طبری کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تورات کی صرف ان آیات کا انکار کرتے ہیں جن کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثت و رسالت کے ساتھ ہے اور انہی حصوں کے کتمان کے مرتکب ہوتے ہیں[95]۔

امام طبری نے تورات کے گم ہو جانے یا تاریخ کے کسی حصے میں تورات کے تلف ہو جانے کا ذکر نہیں کیا ہے۔البتہ انھوں نے یہ ضرور لکھا ہے کہ تورات جل گئی تھی اور کھو گئی تھی اور اس کے بعد عزرا/عزیر علیہ السلام نے اس کو دوبارہ لکھوایا تھا۔امام طبری لکھتے ہیں کہ: "جب اسرائیلی واپس فلسطین پہنچے تب ان کے پاس کوئی بھی الہامی صحیفہ نہیں تھا کیونکہ تورات ہتھیائی جاچکی تھی اور جلائی جاچکی تھی۔بابل میں رکھے گئے قیدیوں میں سے ایک عزرا/عزیر علیہ السلام تھے جو سب کے ساتھ واپس فلسطین آئے تو کئی روز تک دن رات تنہا بیٹھے اس پر غمگین رہے۔بے آب و گیاہ زمین میں جب وہ نوحہ کناں تھے تب ان سے ایک شخص آکر ملا اور آکر پوچھا: "اے عزیر! آپ کو کس بات کا غم ہے؟"۔عزیر علیہ السلام نے جواب دیا: "میں اس عہد کے بارے میں غمگین ہوں جو خدا اور ہمارے درمیان ہوا تھا۔میں خدا کی کتاب کے بارے میں بھی غم زدہ ہوں۔ہماری نافرمانیوں کی وجہ سے خدا ہم پر ناراض ہو گیا اور اس نے ہمارے دشمنوں کو قوت وطاقت سے نوازا۔انھوں نے ہمارے لوگ قتل کر دیے، ہمارے وطن کو تباہ کر دیا اور ہماری الہامی کتاب کو جلا دیا۔اس کے بغیر ہمارا دنیاوی وجود اور ہماری زندگیاں بے معانی ہو کر رہ گئیں۔اگر میں اس پر آنسو نہ بہاؤں تو کس پر آنسو بہاؤں؟"۔پھر اس شخص نے کہا: "کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہ کتاب آپ لوگوں کو دوبارہ دے دی جائے؟"۔عزیر علیہ السلام نے جواب دیا: "کیا یہ ممکن ہے؟"۔اس شخص نے کہا: "واپس جایئے اور غسل کر کے آیئے، اپنے کپڑے بھی دھو کر پہن کر آیئے، کل اسی جگہ دوبارہ ملیں گے"۔عزیر علیہ السلام واپس گئے۔غسل کیا، کپڑے دھوئے اور اسی جگہ واپس جا کر بیٹھ گئے۔پھر وہ شخص پانی سے بھرے ہوئے ایک برتن کے پاس واپس آیا۔وہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تھا۔اس نے

عزیر علیہ السلام کو برتن کا پانی پلایا جس کے بعد تورات عزیر علیہ السلام کے ذہن میں حفظ ہو گئی۔ عزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کے لوگوں کے پاس واپس گئے اور ان کے سامنے تورات پیش کی تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ اس کے مطابق کون کون سی چیز حلال اور کون کون سی چیز حرام ہے۔ بنی اسرائیل اس پر اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ ایسی خوشی ان کو کبھی بھی کسی چیز پر محسوس نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے تورات کے مطابق اپنا نظام ترتیب دیا اور عزیر علیہ السلام ان کے ہاں الہامی حقائق پیش کرنے کے لیے قیام پذیر رہے۔ پھر ان کی وفات ہو گئی۔ مرورِ ایام کے ساتھ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا فرزند سمجھنا شروع کر دیا۔ خدا نے ان میں دوبارہ ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا جیسے وہ ماضی میں پیغمبروں کو ان کی تعلیم و تربیت اور تورات کی پیروی کی ترغیب دینے کے لیے مبعوث فرماتا تھا[96]"۔

یہ محسوس ہوتا ہے کہ مفسرین کے مطابق تورات کے نسخوں پر ربیوں کے لکھے ہوئے تشریحی نوٹ بھی ہوتے تھے جن کو عام یہودی یا کم تعلیم یافتہ یہودی مذہبی رہنما غلطی سے الہامی کلام کا ہی ایک حصہ سمجھ لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ امام طبری ہو شک ہو کہ ان کے عہد کے یہودی انہی توضیحی حاشیوں کو استعمال کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی اصل تورات سے استفادہ نہیں کرتے تھے کیونکہ اپنی تاریخ کی کتاب میں انھوں نے "وہ تورات جو ان کی ملکیت میں ہے[97]" کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ اس سے یہ وضاحت کرنے میں مدد ملتی ہے کہ وہ دیگر مصنفین مثلاً ابن قتیبہ اور یعقوبی وغیرہ کی طرح تورات کو بطور تاریخی مصدر منتخب کیوں نہیں کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ اور یعقوبی وغیرہ نے قبل از اسلام کی تاریخ لکھتے ہوئے یہودی و عیسائی مصادر سے بھرپور استفادہ کیا ہے[98]۔ دوسری جانب امام طبری قابل اعتماد مسلمان ذرائع سے ملنے والی روایات سے مدد لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک مسلمان اطلاع دہندہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں حتی الامکان تورات سے اسی طرح استفادہ کرے جس طرح وہ قرآن مجید سے استفادہ کرتا ہے۔ اس طرح یسعیاہ کی کتاب اور قرآن مجید کا ایک معلوماتی مرقع بن جائے گا جس کے بارے میں ماضی میں عطا بن یاسر نے کہا تھا کہ: "میں عبد اللہ بن عامر سے ملا اور میں نے اس سے تورات میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی بشارتوں کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ ہاں اللہ کی قسم! آپ ﷺ کا تورات میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے جس طرح آپ ﷺ کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے یعنی: " يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا"۔ ترجمہ: اے نبی! بے شک ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے[99]"۔ آپ ﷺ اقوام عالم کے لیے پناہ گاہ ہیں۔ آپ میرے پیغمبر ہیں اور میں نے آپ کا نام اعتماد و امانت رکھا ہے۔ آپ ﷺ نہ تو زیادہ سخت ہیں اور نہ فضولیات بولنے والے ہیں۔ آپ ﷺ تکلیف کے وقت آہ و بکا کرنے والے نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے ہیں۔ جب تک گمراہ اقوام یہ اقرار نہ کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، تب تلک ہم آپ ﷺ کو اپنے پاس واپس نہیں بلائیں گے۔ ان کے ذریعے ہم بند دلوں، بہرے کانوں اور اندھی آنکھوں کو کھول کر رکھ دیں گے[100]"۔

المقدسی

اب تلک ان مصنفین کا ذکر کیا گیا ہے جن کے مطابق قرآن مجید کا موقف ہے کہ یہودیوں نے تورات کی تعلیمات کو تلبیس کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے مطابق یہودیوں نے تورات کے متن میں کوئی تحریف نہیں کی البتہ اس کے معانی و مفاہیم میں اپنی منشا کے مطابق تبدیلیاں کی ہیں۔ ابو النصر مطہر بن طاہر المقدسی[101] اس موقف کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔ ان کی "کتاب البدء والتاریخ" اس ضمن میں معروف ہے جو انھوں نے ایک سامانی وزیر کی خواہش پر صوبہ سجستان میں رہائش کے دوران 355ھ / 966ء میں لکھی تھی۔ المقدسی کے نسب نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آبائی شہر یروشلم تھا، اس کے علاوہ ان کے

بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ ان کی کتاب میں ایسے کئی شہروں کا ذکر ملتا ہے جن کی انھوں نے سیاحت کی تھی۔ ان میں بصرہ، تکریت، قاہرہ اور بیت لحم شامل ہیں۔ بصرہ میں ایک یہودی عالم کے ساتھ ان کو تبادلہ خیال کرنے کا موقع بھی ملا تھا۔ انھوں نے حج کے لیے مکہ کا سفر کیا اور کے بعد ایران کے کئی شہروں کی سیاحت بھی کی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان اسفار کے اصل مقاصد کیا تھے اور نہ ہی یہ پتہ چل سکا ہے کہ سامانی دربار میں ان کے پاس کون سا عہدہ تھا۔ ان کی کتاب البدء کو روایتی تاریخ کی کتاب نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اس میں ماضی کے واقعات کو زمانی ترتیب کے ساتھ ب نہیں بلکہ الٰہیاتی پس منظر میں بیان کیا گیا ہے۔ کائنات کی تخلیق اور اس کے بعد کے واقعات بیان کرنے سے قبل المقدسی نے قبل از تخلیقِ کائنات کے مباحث پیش کیے ہیں۔ پہلے خدا کے بارے میں، پھر تخلیق آدم سے قبل کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کئی الٰہیاتی توضیحات لکھی گئی ہیں۔ ان میں کئی نکات کے حوالے سے وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تصورات کا تقابل بھی پیش کرتے ہیں اور اس ضمن میں انھوں نے یہودیوں کے افکار کو خصوصی طور پر زیر غور رکھا ہے۔ اسی لیے ان کو تقابل ادیان کا ایک سنجیدہ طالب علم قرار دیا جا سکتا ہے۔ مہدی کے زمانے اور حیات بعد الموت کے بارے میں مصنف نے کئی یہودی گروہوں اور اشخاص کے افکار پیش کیے ہیں لیکن ان کے ناموں کی تعیین نہیں ہے ہے۔ اس بحث میں وہ بائبل کے ایسے اقتباسات پیش کرتے ہیں جو یہودیوں نے اپنے افکار کی تائید میں دلائل کے طور پر استعمال کیے ہیں۔ انھوں نے یہودیوں کے فرقوں، ان کے عقائد اور ان کی روایات کے بارے میں اپنی کتاب کے لیے مواد اکٹھا کرنے کے دوران یہودی علماء اور خبر رسانوں سے ضرور معلومات لی ہوں گی[102]۔

یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ المقدسی نے صرف زبانی خبروں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تحریر دستاویزات سے بھی استفادہ کیا تھا۔ وہ ایک خفیہ کتاب کے حوالے بھی پیش کرتے ہیں جس کا نام "شريعة اليهود" ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے ترجمہ شدہ تورات کے کئی حصوں کا مطالعہ کر رکھا ہے اور غالبا انھوں نے اپنے حافظے کی بنیاد پر تورات کے اقتباسات پیش کیے ہیں اس لیے ان کے الفاظ اور جملے ہر جگہ درست نہیں ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں کہ یہودیوں سے حاصل شدہ معلومات جن مقامات پر قرآن مجید کے ساتھ موافق ہے ان مقامات پر وہ ان کی پیش کردہ معلومات کے ساتھ متفق ہیں۔ تورات کا وہ متن یا یہودیوں کے ذریعے ملنے والی وہ معلومات جن کی تائید قرآن مجید سے نہیں ہوتی یا وہ قرآنی معلومات کے ساتھ متعارض ہیں، ان کو مسترد کر دیا جانا چاہیے۔ ایک طرف المقدسی خبردار کرتے ہیں کہ یہودیوں نے تورات میں تحریفات کر رکھی ہیں اس لیے اس کو احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جانا چاہیے اور دوسری جانب وہ تورات کے ان مخصوص حصوں کی تشریح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو ان کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی آمد کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں۔ المقدسی کا موقف ہے کہ ابتداء سے ہی یہودیوں نے تورات کے متن میں تحریف کرنا شروع کر دی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کی قوم کے ستر عمائدین ان کے ساتھ کوہِ طور پر گئے اور وحی کا بذات خود مشاہدہ کیا لیکن اس سے حاصل ہونے والی تعلیمات کو قوم کے سامنے تحریف کرنے کے بعد پیش کیا تھا۔ عزیر علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی تورات کے متن میں تحریف کی گئی تھی۔ المقدسی لکھتے ہیں کہ: "جب نبوکدنضر نے یروشلم کو تباہ کر دیا، تورات کو جلا دیا اور اسرائیلیوں کو ملک بدر کر کے بابل میں قید کر لیا تب یہودیوں میں تورات کا وجود باقی نہ رہا، پھر ان میں عزیر علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انھوں نے اس کا احیاء کیا۔ یہ واقعہ یہودی خود بیان کرتے ہیں۔ اہل علم یہودیوں کی وساطت سے معلوم ہوا ہے کہ عزیر علیہ السلام نے تورات کا املا اپنی زندگی کے آخری ایام میں کروایا تھا اور اس کے بہت مختصر عرصے بعد ان کی وفات ہو گئی تھی۔ یہ کتاب انھوں نے اپنے پیروکاروں میں سے ایک کے حوالے کی تھی اور اس پر یہ ذمہ داری عائد کی تھی کہ وہ اس کتاب کو آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں کے سامنے بار بار پڑھ کر سنائے۔ یہودیوں نے اس شخص سے تورات کا نسخہ لے کر اس کی نقول تیار کیں۔ ان ناقلین نے دعویٰ کیا کہ اگر تورات میں کوئی حک و اضافہ ہوا ہے تو اسی پہلے

شخص نے کیا ہے جس کے پاس عزیر علیہ السلام کا تیار کردہ نسخہ تھا۔ اس طرح تورات میں تحریف ہوئی اور اس کی عبارتوں کو بدل دیا گیا تھا۔ آج کی تورات ان لوگوں کی لکھی ہوئی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیا میں آئے تھے کیونکہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کے واقعات بھی درج ہیں۔ اس مین لکھا ہے کہ انھوں نے یوشع بن نون کو کیا وصیت کی تھی، ان کی وفات کیسے ہوئی، ان پر اسرائیلیوں نے کس طرح نوحہ کیا، نیز اس میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جن کو پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ موسیٰ علیہ السلام کے فرامین ہیں[103]"۔ المقدسی کے مطابق یہودی تورات، سامری تورات اور یونان والے ہفتادی ترجمہ کے متن میں کئی مقامات پر اختلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:"تحریف اور تبدیلی سے متعلق جاننے کے بعد یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ایسا متناقض کلام خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ میں نے آپ کے سامنے اس کی وضاحت اس لیے کر دی ہے کہ جب یہودی یہ دعویٰ کریں کہ محمد ﷺ کا تورات میں ذکر نہیں کیا گیا ہے تو آپ کی حوصلہ شکنی نہ ہو[104]"۔

اگرچہ یہودی اس سے انکار کرتے ہیں کہ تورات میں نبی اکرم ﷺ کی آمد کا ذکر ہے[105]، پھر بھی المقدسی اس کے قائل ہیں کیونکہ ان کے مطابق قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے اس لیے اس دعوے کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک دل میں نہیں ہونا چاہیے۔ نیز یہ شک اس لیے بھی پیدا نہیں ہو سکتا کہ علماء نے تورت کے ان اقتباسات کی نشاندہی کر رکھی ہے جو تورات میں تحریف ہو جانے کے بعد ابھی تک محفوظ ہیں اور ان میں آپ ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں ہیں[106]۔ ان دلائل میں سے المقدسی لکھتے ہیں کہ:"تورات میں اللہ کا فرمان ہے کہ اے داؤد! اپنے جانشین سلیمان کو بتا دیجیے کہ کائنات میری ہے۔ یہ میں وراثت کے طور پر قابلِ تعریف (محمد ﷺ) اور ان کی قوم کو سونپ دوں گا۔ قرآن مجید میں تورات کے اس اقتباس کی تصدیق مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ترجمہ: اور بلاشبہ یقیناہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ یہ زمین، اس کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے[107]۔ تورات میں خدا کا یہ فرمان بھی ہے کہ وہ صیہون سے ایک قابلِ تعریف تاج کو ظاہر کرے گا۔ کہا جاتا ہے کہ تاج قیادت ورہنمائی اور امامت کا ایک استعارہ ہے اور قابلِ تعریف سے مراد محمد ﷺ ہیں[108]۔ المقدسی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اگرچہ تورات میں تحریف ہو چکی ہے لیکن پھر بھی پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے بارے میں تورات میں موجود پیش گوئیوں میں زیادہ پیچیدگی یا شک وشبہ اور دھندلاہٹ نہیں ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے عہد نامہ قدیم سے مندرجہ ذیل دو اقتباسات من وعن نقل کیے ہیں[109]:

1. "اور اِسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دُعا سُنی۔ دیکھ مَیں اُسے برکت دُونگا اور اُسے برومند کرونگا اور اُسے بڑھاؤنگا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور مَیں اُسے بڑی قوم بناؤنگا[110]"۔
2. "اور اُس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا اُسکے دہنے ہاتھ پر اُنکے لیے آتشی شریعت تھی[111]"۔

المقدسی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا دونوں اقتباسات نبی اکرم ﷺ اور اسلام کی تائید و تصدیق کے لیے ٹھوس دلائل کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ انھوں نے محض متقدم علماء کی تصنیفات میں ان کو دیکھا اور اپنی کتاب میں شامل کرنے کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ انھوں نے جو مثالیں منتخب کی ہیں وہ ابن ربن اور ابن قتیبہ کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ المقدسی کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے یہ مثالیں عبرانی بائبل سے نقل کرتے ہوئے ان کا عربی ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ عبرانی نسخے سے متن نقل کرنے کا سبب یہ تھا کہ محض عربی ترجمہ اور مفہوم بیان کرنے کے نتیجے میں اہل کتاب کو قائل کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا[112]۔ غالباً انھوں

نے یہودیت سے اسلام میں آنے والے ایک نو مسلم سے عبرانی بھی سیکھی تھی۔ یہ یہودی بھی کٹر نہیں ہوگا کیونکہ کٹر یہودی اپنے دین کے اہم امور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہودیوں کے ساتھ مکالمہ کرنے سے المقدسی کو اطمنیان حاصل نہیں ہوا تو انھوں نے خود یہودی مذہبی مصادر کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ المقدسی نے ابن قتیبہ کی دلائل النبوۃ سے تورات کے اقتباسات نقل کیے ہیں لیکن ان کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دیگر یہودی مصادر سے بھی استفادہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس موضوع پر مسلمانوں نے گراں قدر تصنیفات پیش کی ہیں اور دلائل نقل کرنے کے ساتھ ساتھ منطقی انداز میں بھی ثابت کیا ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے بائبل میں متعدد شواہد موجود ہیں۔ المقدسی نے ان علماء کی فہرست پیش نہیں کی ہے لیکن یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان میں سے تقریباً بائیس علماء کی تحریروں کا وہ مشاہدہ کر چکے ہیں اور اگر ان کی تفصیلات بیان کی جائیں تو ان کی کتاب کے ابواب میں اضافہ ہو جائے گا[113]۔ اس ضمن میں ابن ندیم نے کئی کتابوں کے نام ذکر کیے ہیں جن میں "العلامات النبوۃ، دلائل النبوۃ، اثبات الرسالہ" وغیر قابل ذکر ہیں اور ان تک المقدسی کی رسائی بھی رہی ہوگی[114]۔ ان کے علاوہ بھی متعدد کتب کو اس فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ المقدسی نے ان دلائل کی بنیاد پر اپنی تحریر کو معرکہ آراء نہیں بنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ المقدسی کے مطابق دیگر علماء اس ضرورت کو پورا کر چکے تھے۔ المقدسی کا اپنے معاصر یہودی مذہب کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ دلچسپی لینا ایک قابلِ غور معاملہ ہے۔ انھوں نے درباری لہجے اور اعلیٰ اسلوب میں یہودیوں کے بارے میں اپنے افکار کو دیانت دارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اسلوب علمی و فکری ضرور ہے لیکن کتاب میں متعلقہ حصہ کا عمیق مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ مناظرانہ انداز میں یہودیت کا رد لکھنے کے منہج پر نہیں چل رہے تھے۔

ابن حزم

امام ابن حزم کے والد اندلس کے حکمران المنصور کے دربار سے وابستہ تھے[115] اور یہ توقع کی جا رہی تھی کہ وہ بھی کسی سیاسی و انتظامی عہدے پر براجمان ہوں گے لیکن جب 1303ء میں ہسپانوی بنو امیہ کی حکومت انتشار کا شکار ہو کر مختلف حصوں میں بٹ گئی تو امام ابن حزم نے اپنے اہداف کا رخ موڑ لیا۔ سیاسی انتشار کو دیکھتے ہوئے امام موصوف نے تعلیم و تدریس کو مستقل پیشہ بنانے کا منصوبہ بنایا۔ آپ نے علمی اعتبار سے غیر مسلم اقلیتوں کو بھی اپنے تصنیفی مباحث کا حصہ بنایا اور مسلمان حکمرانوں کے لیے لازم قرار دیا کہ وہ غیر مسلموں کو اپنے ماتحت ذمی بنا کر رکھیں اور ان کو مسلمانوں کی انتظامیہ کے کلیدی عہدوں پر فائز نہ کریں۔ تاہم سلطنتِ غرناطہ میں امام ابن حزم کے مقابلے پر ایک یہودی مفکر اسماعیل ابن الناغریلا اپنی قوم کے حقوق کے لیے متحرک تھا اور اس کی کوششوں کے باعث اندلس میں یہودی ریاستی معاملات میں اہم مناصب پر کام کر رہے تھے۔ امام ابن حزم اور اسماعیل ابن الناغریلا کے درمیان مباحثوں کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا تھا جب دونوں ہی بیس برس کی عمر کے نوجوان تھے[116]۔ ربی یہودیوں کے علاوہ امام ابن حزم کا یہودی علماء میں سے صرف اسماعیل ابن الناغریلا کے ساتھ رابطہ تھا۔ یہودیوں میں ایک فرقہ عیسوی یہودی کہلاتا تھا اور اس کی نسبت اسحاق بن یعقوب الاصفہانی کی جانب کی جاتی ہے جس نے نبوت اور مسیحیت کا دعویٰ کیا تھا۔ امام ابن حزم کا عیسوی یہودیوں کے ساتھ بھی رابطہ تھا[117]۔ یہودیوں کا ایک فرقہ جو صرف تورات کے متن کو مستند مانتا ہے لیکن ربنی یہودیوں کی طرح مشنا اور تالمود کو مستند نہیں مانتا، اہل تورات (Karaite) سے موسوم کیا گیا ہے۔ امام ابن حزم نے واضح طور پر اپنی تصنیفات میں اس فرقے کے لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن ان کے اندازِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل تورات کے ساتھ بھی قریبی تعلقات رکھتے تھے۔ ان کی تحریروں میں ربی یہودیوں پر پیش کیے گئے تبصرے اس کے شاہد ہیں۔ یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ معروف یہودیت کے بارے میں امام ابن حزم کے افکار کی

تشکیل میں ان فرقے کی تحریروں کا اہم کردار ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے اہل تورات فرقے کے زیر اثر رہ کر معروف یہودیت پر نقد کیا ہے کیونکہ امام ابن حزم اپنی تحریروں میں یہودیت پر عمومی انداز میں نقد و تبصرہ کرتے ہیں اور اس ضمن میں اہل تورات یہودی بھی ان کی تنقید کا ہدف بنے ہیں۔ امام ابن حزم کی کئی تحریروں میں یہودیت اور عیسائیت کے ضمن میں مباحث مل سکتے ہیں[118]۔ ان میں اہم کتابیں "الرد علی ابن ناغریلا الیہودی" معروف ہے۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا لیکن اس بات کے امکانات موجود ہیں کہ یہ کتاب غرناطہ کے وزیر یہودی کے بارے میں نہیں ہے[119]۔ اسی موضوع پر امام موصوف کی" کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل" کو عالمی سطح پر مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ثانی الذکر اپنے موضوع پر ایک اور کتاب "اظہار تبدیل الیہود والنصاریٰ لتورات والانجیل" کو بھی شامل ہے۔ یہودیت کے عبرانی صحائف و مصادر کے بارے میں امام ابن حزم کے فہم کا تخمینہ ان کتابوں کے مطالعہ کے ذریعے لگایا جا سکتا ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ بھی امام ابن حزم کی دیگر کتب میں یہودیت کے بارے میں مواد موجود ہے لیکن وہ ضمنی اہمیت کا حامل ہے۔ ابن حزم کی کتابوں میں یہودیوں کے بارے میں مندرجہ ذیل اساسی نکات اٹھائے گئے ہیں:

1. اسلام نے یہودی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس لیے مسلمان اب تورات سے استفادے کے مکلف نہیں رہے ہیں لہذا اگر وہ اس کو استعمال کرنے سے گریز کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔
2. تورات کو بطور ایک تاریخی ماخذ بھی محدود پیمانے پر استعمال کرنا چاہیے کیونکہ یہودی اس کی تصنیف کی جن تواریخ کا دعویٰ کرتے ہیں، تورات ان تواریخ سے بہت بعد میں لکھی گئی تھی۔

امام ابن حزم نے تورات کی پیش کردہ شریعت کے نسخ اور اس کی دستاویزی تصنیف و تالیف کی تاریخ کے دعویٰ کی تائید میں کئی دلائل باحوالہ پیش کیے ہیں۔ یہودی علماء میں سے صعدیہ غاؤن اور القرقسانی (جو دسویں صدی کے پہلے نصف میں یہودیوں کا مستند عالم تسلیم کیا جاتا تھا)، نے امام ابن حزم کے پیش کردہ دعاوی اور دلائل پر اپنی آراء پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان عالم الباقلانی نے بھی امام ابن حزم کی آراء کو زیر بحث رکھا ہے۔ مسلمانوں کو تورات سے استفادہ کیوں نہیں کرنا چاہیے؟ اس کے جواب میں امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ تاریخ کے کئی مراحل میں یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے اس الہامی صحیفے میں تحریف کی ہے۔ یہ کتاب کئی مرتبہ تلف بھی ہوئی ہے اور اس کے بعد تورات کے نام پر کسی جعل ساز نے ایک نئی کتاب دنیا کے سامنے پیش کر دی تھی۔ اس دعویٰ میں امام ابن حزم کچھ ایسے مخصوص مسلمانوں سے مخاطب نظر آتے ہیں جو تورات کو ایک مستند اور قابل اعتماد یہودی دینی مصدر کے طور پر تسلیم کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ابن حزم کی اس بات سے ہو جاتا ہے کہ: " دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود اپنی جہالت کی بنیاد پر یہودیوں اور عیسائیوں کے ذریعے تورات اور اناجیل میں ہونے والی تحریف کو تسلیم کرنے سے منکر ہیں۔ ان کے انکار کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ وہ قرآن اور سنت کی تعلیمات پر غور و فکر کرنے سے پہلو تہی برتتے ہیں۔ (چنانچہ ابن حزم واضح اسلوب میں لکھاہے کہ) اب دنیا میں یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس موجود تورات اور اناجیل کے نام سے جو دستاویزات موجود ہیں وہ مکمل طور پر الہامی نہیں ہیں۔ لہذا ان جاہلوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو قبول کر لیں کہ یہودی اور عیسائی تورات اور اناجیل میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں[120]"۔ اس کے بعد امام ابن حزم نے بائبل میں تحریف کے دعوے کی تائید میں قرآن مجید کی آیات پیش کی ہیں[121]۔ تورات میں تحریف فی المتن کے قائل ہونے والے علماء کی جانب سے قرآن مجید کی جانب سے تائید پانے والے فقرات[122] کے بارے میں یہی موقف قائم رکھا گیا ہے کہ وہ تحریف سے محفوظ ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ مذکورہ نکات میں امام ابن حزم مسلمانوں کے کسی طبقے سے مخاطب ہیں اور ان کا مقصد یہودیوں کو قائل کرنا نہیں ہے تاہم یہودیوں کے ساتھ ہونے والے اپنے عوامی مباحثوں

میں امام ابن حزم نے یہودیوں سے اسلام کا تفوق تسلیم کروانے کے لیے مکمل جدوجہد کی تھی[123] لیکن ان کاوشوں کے نتائج کے بارے میں متعلقہ مصادر خاموش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ان مناظرانہ سرگرمیوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ اگر ہوتا تو امام موصوف ان کا ذکر ضرور کرتے، انھوں نے ایک ہی مناظرے کے نتیجے کو اپنی تحریر کا حصہ بنایا ہے جس میں انھوں نے ایک یہودی عالم کو اپنے دلائل سے خاموش کروادیا تھا[124]۔ تورات میں تحریف کو ثابت کرنے کے لیے امام احمد ابن حزم اپنے قارئین کے سامنے دو طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں:

1. امام موصوف نے موسیٰ علیہ السلام کے صحائف میں سے پچاس ایسے اقتباسات اپنے تجزیہ کے ساتھ پیش کیے ہیں جن کی روشنی میں یہ ثابت کیا جا سکے کہ تورات میں شماریاتی، تاریخی اور جغرافیائی اغلاط ہیں۔ ان اقتباسات میں امام ابن حزم کے تجزیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی گستاخی کی گئی ہے۔ ابن حزم کے مطابق ان اقتباسات کے مضامین باہم متناقض اور متضاد ہیں نیز یہ قرآنی مضامین و معلومات کے ساتھ بھی اختلاف پر مبنی ہیں[125]۔
2. ثانیاً امام ابن حزم نے تورات کے مضامین کو بائبل کی باقی کتب کے ساتھ موازنے میں پیش کیا ہے[126]۔

مذکورہ دونوں تجزیات کی روشنی میں ابن حزم نے یہ طے کیا ہے کہ ان کے عہد میں موجود تورات کا نسخہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات سے موافق نہیں تھا۔ المقدسی کی طرح امام ابن حزم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کے گم ہونے س متعلق تاریخی حوالے پیش کرتے ہیں۔ ان کے پیش کردہ واقعات زیادہ تفصیلی ہیں اور انھوں نے تورات کے احیاء کے بارے میں عزیر علیہ السلام کے کردار کو توصیفی انداز میں پیش نہیں کیا ہے۔ ان کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اسرائیلیوں نے دیگر اقوام کے دیوتاؤں کو پوجنا شروع کر دیا۔ ان میں ایسے قاضی اور حکمران ظاہر ہوئے جو بت پرست تھے۔ ان کی حکومتوں کے تحت رہتے ہوئے بنی اسرائیل نے تورات سے پہلو تہی برتنا اور اس میں تحریف کرنا شروع کر دیا۔ امام ابن حزم نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے خلفاء کی حکومتوں اور دین کے بارے میں ان کے رویوں کو بیان کیا ہے۔ عہد نامہ عتیق میں سلاطین اور تواریخ کی کتابوں کے بعد ابن حزم کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے بعد تقریباً بیس ایسے حکمران آئے جن میں سے پندرہ سے زیادہ بت پرستی کے مرتکب ہوئے تھے۔ اسرائیلی بادشاہ تورات سے محروم تھے کیونکہ اس وقت تورات کا محض ایک نسخہ تھا اور وہ بھی ہیکل میں رکھا گیا تھا۔ اس نسخے تک اعلیٰ کاہنوں کو ہی رسائی دی جاتی تھی۔ ان کا جب جی چاہتا، وہ اس میں اپنی منشاء کے مطابق تحریف کا ارتکاب کرتے تھے، عام لوگ اس تحریف کی خیانت کے نتیجے میں تورات میں پیدا ہونے والے اختلافات سے بے خبر رہتے تھے[127]۔ کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کے ذریعے تورات میں ہونے والی تحریف پر ہیکل پر ہونے والے حملے اور ہیکل کے اندر موجود اشیاء کی لوٹ مار مستزاد تھی۔ مزید یہ کہ داؤد علیہ السلام کے گھرانے کے ایک بادشاہ نے تورات کے متن میں سے خدا کا نام خذف کر دیا۔ اس کے جانشین نے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ظلم ڈھایا کہ تورات کے اکلوتے نسخے کو آگ کے شعلوں کے حوالے کر دیا اس کے بعد نبوکد نضر نے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ہیکل کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا تو تورات کی رہی سہی باقیات بھی صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ یہوداہ کے باسیوں کو قیدی بنا کر بابل میں لے جایا گیا جہاں انھوں نے ایک نیا مذہب تشکیل دیا۔ یہ مذہب یہودیت تھا جو عقائد اور طرزِ عبادات میں موسیٰ علیہ السلام کے دین سے یکسر مختلف تھا۔ جب ان کو واپس یروشلم جانے کی اجازت ملی تو انھوں نے واپس جا کر نہ صرف ہیکل سلیمانی کی تعمیرِ نو کی بلکہ تورات کی بھی تصنیفِ نو کی۔ اس نئی تورات کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہے۔ موجودہ تورات اگر الہامی نہیں ہے تو پھر اس کا مصنف کون ہے؟ ابن حزم اس کا جواب نہیں دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی مخصوص یہودی اس کا مصنف ہو یا ایک سے زیادہ افراد نے اس کو لکھا ہو۔ جس نے بھی

اس کو لکھا اس کو شماریات، ریاضیات، جغرافیہ اور تاریخیات کے اصول وضوابط کا قطعاً علم نہیں تھا۔ نیز اس کو قصہ نویسی کا بھی کوئی تجربہ نہیں تھا اور نہ ہی وہ ادبی اسالیب سے آگاہ تھا۔ اسی لیے تورات میں مذکورہ علوم کے ضمن میں اغلاط اور تناقضات پائے جاتے ہیں نیز اس میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کے بارے میں گستاخانہ باتیں بیان کی گئی ہیں[128]۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام کو ابن قتیبہ، امام طبری اور المقدسی نے تورات کے احیاء کے ضمن میں ستائشی اسلوب میں ذکر کیا ہے لیکن امام ابن حزم کے مطابق عزیر علیہ السلام نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا بلکہ عزرا نامی ایک "جعل ساز" یہودی نے تورات کو نئے انداز میں گھڑ کر لوگوں کو سنایا اور ان سے لکھوایا[129]۔ ابن حزم کے مطابق عزرا نے تورات کو اپنے حافظے کی بنیاد پر املا کروایا لیکن انتہائی ڈرامائی انداز میں تورات میں ایسی تبدیلیاں کر دیں جن کی بنا پر یہ اصل اور الہامی تورات سے یکسر مختلف ہے۔ یہ ایک باطل الہام ہے جس پر یہودیت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل سے پہلے تورات کو ایک مرتبہ پھر نازل کیا گیا تھا لیکن ان کے رفع سماوی کے سبب انجیل کے ساتھ تورات بھی دنیا سے اٹھالی گئی اور یہودیوں کی تیار کردہ سابقہ تورات ہی ان کے پاس باقی رہ گئی تھی۔ اس کے بعد حضرت محمد ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور انھوں نے ان دونوں کتابوں میں مذکور تعلیمات کا احیاء فرمایا۔ اب یہودیوں کے پاس تورات اور عیسائیوں کے پاس انجیل کی تعلیمات پر عمل کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد قرآن مجید کے دیے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں[130]۔

المقدسی کی طرح امام ابن حزم تورات میں ہونے والی بے ضابطگیوں کو ثابت کرنے کے لیے یہودی، سامری اور یونانی نسخوں کے درمیان اختلافات کو بھی بیان کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے[131]۔ تورات میں تحریف پر یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ ابن حزم اس کے اقتباسات کو نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ان اقتباسات کے بارے میں ان کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تحریف سے محفوظ رکھا ہے۔ عزرا کی تیار کردہ تورات میں محض یہی اقتباسات تصرف سے محفوظ رہے ہیں[132]۔

ابن حزم کے مطابق صرف یہودی صحائف میں تحریف نہیں ہوئی بلکہ مکمل یہودی مذہب ہی تحریف شدہ ہے اور یہ کسی طور موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے دین سے مماثل نہیں ہے۔ امام ابن حزم اپنے عہد میں مروج یہودی مذہب کو یہودی ربیوں کی تشکیل قرار دیتے ہیں اور یہ موقف کسی حد تک یہودیوں کے فرقے اہل تورات کی بازگشت ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہودیت سے متعلق امام ابن حزم تصنیفی کاوشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبرانی تورات سے واقف نہیں تھے اور ان کا مطالعہ تورات کے عربی ترجمہ تک محدود تھا۔ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ امام موصوف کے پاس تورات کا مکمل عربی نسخہ بھی موجود نہیں تھا بلکہ ان کے پاس اس کے اجزاء تھے جن میں سے انھوں نے مخصوص اقتباسات منتخب کر کے پیش کیے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف امام ابن حزم کی بائبل سے ساتھ معرفت استثنائی تھی اور اس ضمن میں ان کے پیش رو مسلمان علماء میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی عقائد اور عملی سرگرمیوں کے بارے میں ان کی معلومات المقدسی اور البیرونی (م:422ھ/1050ء) کی تصنیفات کے پیش نظر نسبتاً محدود تھیں۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ مطالعہ یہودیت میں امام ابن حزم کا منہج دیگر مصنفین سے مختلف تھا۔ دیگر مصنفین نے بیانیہ انداز میں اپنے قارئین کو یہودیت سے متعارف کروانے کی کوشش کی ہے جب کہ امام ابن حزم کا انداز ناقدانہ اور مناظرانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مستشرقین نے امام ابن حزم کے مناظرانہ اسلوب کی بنا پر ان کو "anti-Semite" قرار دیا ہے[133] لیکن ان مستشرقین کی توجہ ابن حزم کی ان تحریروں کی جانب غالباً گامزن ہی نہیں ہو سکی جن میں امام موصوف نے مسلم یہودی تعامل پر بحث کی ہے اور اس ضمن میں دیگر فقہاء کے مقابلے میں ابن حزم کے موقف میں قابلِ غور نرمی اور لچک نظر آتی ہے۔

خلاصۂ بحث

مقالہ ہذا میں کلاسیکی عہد کے مسلمان علماء کے ان افکار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جن کا تعلق یہودی مذہبی مصادر کے ساتھ ہے۔ ان علماء کے مطابق تورات میں موجود نبی اکرم ﷺ کی آمد کی پیش گوئیوں کے علاوہ زیادہ تر حصے تحریف کا شکار ہوئے ہیں۔ ان علماء نے الگ الگ اسلوب میں عبرانی بائبل کے بارے میں اپنے افکار پیش کیے ہیں۔ خود قرآن مجید میں بھی ایک طرف آپ ﷺ کی آمد اور آپ ﷺ کے اصحاب کی سیرت کی تلمیحات کا ذکر ہے جب کہ دوسری طرف تورات میں تحریف کے بارے میں بھی کئی مقامات پر مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے۔ ابن ربن اور ابن قتیبہ، دونوں تورات کو بطور تاریخی ماخذ استعمال کرنے کے قائل ہیں اور ان کا موقف ہے کہ یہودیوں نے تورات کے متن میں تحریف نہیں کی تھی بلکہ اس تحریف کا تعلق تورات کی تاویلات اور تشریحات و مفاہیم کے ساتھ ہے۔ امام طبری بھی ان کے اس موقف کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں لیکن المقدسی اور ابن حزم نے اس موقف سے سخت اختلاف کیا ہے۔ ان کے مطابق تورات کے متن میں بھی تحریف کی گئی ہے البتہ نبی اکرم ﷺ کی رسالت و بعثت کے بارے میں اس کے بعض اقتباسات کو انھوں نے محفوظ بھی تسلیم کیا ہے۔ تحریف کی دونوں توضیحات کے ضمن میں جدید مسلمان علماء تاحال دو طبقات میں منقسم ہیں۔

References

[1]Al-Māidah 5: 82.
[2]Al-Nisā 4: 160, Al-Anām 6:146, Al-Naḥal 16: 118.
[3]Al-Baqarah 2: 96.
[4]Al-Taubah 9: 31.
[5]Al-Aaraf: 157
[6]Al-Baqarah 2: 75 to 79, Al-Nisā 4: 46, Al-Māidah 5: 41, Al-Māidah5 :13.
[7]Al-Baqarah 2: 42, Al-Imrān 3: 71.
[8]Al-Anām 6: 91.
[9]Al-Imrān 3: 187
[10]Al-Baqarah 2: 59, Al-A'rāf 7: 162.
[11]Al-Imrān 3: 78.
[12] Ibn-e-Nadīm, Alfehrist (Beirūt: Dār al-Musīr, 1988 AD), 18.
[13] Amar Ibn Beḥr Al-Jāḥiẓ, Al-Radd 'Alā al-Naṣārā (Qairū: Maktbā Al-Salafiah, 1926 AD), 38.
[14]Bernard Lewis,The Jews of Islam (US: Princeton University Press, 1984 AD), 47-49.
[15]Ibn-e-Rabān, Al-Dīn wa al-Daulah (England: Manchester university, 1922AD), 20.
[16] Camila Adang, "Medieval Muslim Polemics against the Jewish Scriptures." Muslim Perceptions of other Religions (NewYork: Oxford University Press, 1999), 144.
[17] Sarah Stroumsa, Dāwūd Ibn Marwān Al-Muqammiṣ's Twenty Chapters: 'Ishrūn Maqāla(New York:BRILL, 1989 AD), 262-271.
Sarah Stroumsa, "The signs of prophecy." Harvard Theological Review 78, (1985), 101–114.
[18] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 118-166.
[19] Ahmed Zakim Safwah, Al-Asār al- Abāsī al-Awal (Qairo, Maktabah Muṣtafāī al-Ḥalabī, 1937 AD), 309-314.
[20]Isiah, 21:6 to 9
[21]Isiah, 42:1-4
[22]Psalms, 149

[23]Deutronomy, 33:22
[24]Psalms, 48:1-2
[25] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 76, 77.
[26] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 81.
[27]Isiah, 9:6
[28]Danial, 12:12
[29] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 117.
[30] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 118.
[31]Genesis, 21:20
[32]Duetronomy, 33:2
[33]Isiah: 42:11-13
[34]Isiah, 21:9
[35]Isiah, 35:1
[36]Isiah, 41:17-20
[37]Isiah, 43:20
[38]Isiah, 54:15
[39]Isiah, 49: 16-21
[40]Hosea, 13:5
[41]Habakkuk, 3:3 - 13
[42]Ezekiel, 19:14 - 14
[43]Zephaniah, 3:8 – 10
[44]Jeremiah, 5:15
[45]Psalms, 45:2 - 5
[46]Psalms, 50:2
[47]Psalms, 72:8 - 12
[48]Isiah, 2:12 - 19
[49] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 106.
[50] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 85.
[51] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 129.
[52] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 27.
[53] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 45.
[54] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 45.
[55] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 45.
[56] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 27, 47.
[57] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 134.
[58] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 71.
[59] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 110.
[60] Ibn-e-Raban, Al-Dīn wa al-Daulah, 123.
[61]David Samuel Margoliouth, On The Book of Religion & Empire(London: Proceedings of the British Academy, 1930 AD), 168.
[62]Ishaq Musa Huseini, The Life and Works of Ibn Qutayba (Beirūt: American University of Beirut, 1950 AD), 19, 83, 89.
[63]Charles Pellat, Ibn Qutayba, 33-35.
[64]Ibn-e-Qutaybah, Kitāb al-Mu'araf (Qairo: Dār al Mu'arif 1968AD),50.
[65] Ibn-e-Qutaybah, Kitāb al-Mu'araf, 50.
[66]Altauba:9.

[67] Mahmoud Ayūb, Studies in Islamic and Judaic Traditions (Atlanta: Scholars Press, 1986), 3–18.
[68]Ibn-e-Qutaybah, Kitāb al-Mu'araf, 50.
[69]Genesis, 17:20, 16:9 – 12.
[70] Ibn-e-Qutaybah, Dalāil al-Nabuwah.
[71]Isiah, 43.
[72]Ibn-e-Qutaybah, Dalāil al-Nabuwah.
[73] Ibn-e-Jauzī, Kitāb al-Wafā, 48.
[74] Ibn-e-Jauzī, Kitāb al-Wafā, 48.
[75]Ibn-e-Qutaybah, Tāwīl Mukhtalif al-Ḥadīth (Qairo: Maktabah al-Kuliyāt al-azhariya, 1966 AD),195, 293.
[76] Ibn-e-Qutaybah, Tāwīl Mukhtalif al-Ḥadīth, 293.
[77]Ibn-e-Jauzī, Kitāb al-Wafā, 48.
[78] Ibn-e-Qaiyām, Hadayat al-Ḥiyarah min al-yaūd wa al-Naṣārā (Qairo: 1905 AD),76.
[79] Abū Jafar Muhammad Ibn Jarīr Ṭabrī, Tarjeeh Bain al-aqwāl al-Tafsīriyah (Al-Riyādh: Maktabah al-Rushd, 2004 AD), 15 – 21.
[80] Ṭabrī, Tarjeeh Bain al-aqwāl al-Tafsīriyah, 21.
[81] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 1: 412, 557, 559, 563; 2: 254; 10: 124.
[82] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 10: 126.
[83] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 2: 112-116; 13: 178.
[84] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 2: 247.
[85] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 2: 259, 262, 264, 265, 269, 273; 10: 129.
[86] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 2: 111, 244.
[87] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 2: 111; 10: 123, 133.
[88] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 1: 410, 554, 572, 575.
[89] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 1: 554; 3: 327, 335.
[90] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 2: 270.
[91] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 6: 535.
[92] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 8: 433.
[93] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 2: 248.
[94] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 10: 309, 311.
[95] Ṭabrī, Jāmi al-Biyān fī Tāwīl al-Quran, 11: 526.
[96] Ṭabrī, Tārīkh al-Rusul wa al-Malūk, 4: 64.
[97]Ṭabrī, Tārīkh al-Rusul wa al-Malūk, 1: 184.
[98] Ibn-e-Qutaybah, Kitāb al Mu'araf, 9: 25; Tārīkh-e-Ya'qūbī, 5-67.
[99] Al-Aḥzāb 33: 45.
[100]Ibn-e-Sa'ad, Tabqāt al-Kubrā (Beirūt: Dār al-Ṣādir, 1957 AD),1: 193.
[101] Al-MuTahar Ibn-Ṭāhir, Encyclopaedia of Islam, 7: 762.
[102] Al-Muqadasī, Kitāb al-Bad-e-wa al-Tārīkh (Qairo: Maktabah Al-Saqfā Lī Dīniyah), 4: 34-41.
[103] Al-Muqadasī, Kitāb al-Bad-e-wa al-Tārīkh, 5: 29.
[104] Al-Muqadasī, Kitāb al-Bad-e-wa al-Tārīkh, 5: 30.
[105] H.B.Shammai, Studies in Medieval Jewish History and Literature (London: Harvard University Press), 2: 3-40.
[106] Al-Muqadasī, Kitāb al-Bad-e-wa al-Tārīkh, 5: 27.
[107]Al-Anbiya 21: 105.

[108] Al-Muqadasī, Kitāb al-Bad-e-wa al-Tārīkh, 5: 28.
[109] Al-Muqadasī, Kitāb al-Bad-e-wa al-Tārīkh, 5: 30-32.
[110]Genesis, 17:20.
[111]Deutronomy, 33:2.
[112] Al-Muqadasī, Kitāb al-Bad-e-wa al-Tārīkh, 5: 29.
[113] Al-Muqadasī, Kitāb al-Bad-e-wa al-Tārīkh, 5: 25.
[114] Ibn-e-Nadīm, Al-Fehrist, 36,185,214,229,252,272.
[115] Dr. Ibrāhīm Hardālū, Al-Taurāt wa al-Yahūd fī Fikr-e-Ibn-e-Ḥazm (Khurtūm: Dār al-Jāmia Khurtūm, 1984 AD).
M.A Laila, An introduction to the life and work of Ibn Ḥazm, 29: 75–100, 165–171.
R. Arnald, Ibn Ḥazm, Encyclopedia of Islam, 3: 790–799.
[116] D. Wasserstein, Politics and Society in Islamic Spain, 190–223.
[117] S. M. Wasserstrom, "The Isawiyya revisited, Journal of Studia Islamica, 75: 57-80.
[118] Ibn-e-Ḥazm, Jumhurat u Ansaab ul Arab (Qairo: Dār al-Mu'āif, 1982 AD), 8, 505.
Ibn-e-Ḥazm, Al-Akhlāq wa al-Siyār (Al-Riyādh: Dār Ibn-e-Ḥazm, 1990 AD), 48.
[119]Ibn-e-Ḥazm, Al-Radd A'la Ibn-e-Naghrīlā Al-Yahūdī Wa Risāil al Ukhra (Qairo: Dār al-Urūba, 1960 AD), 45 – 81.
[120] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 1: 215.
[121]Al-Imran 3: 71, Al-Baqarah 2: 75, Al-Imran 3: 78, Al-Nisa 4: 46.
[122]Al-Fatah 48: 29.
[123] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 5: 120.
[124] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 1: 135.
[125] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 116, 185.
[126] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 187, 203.
[127]H.L.Yafeh, Tahrif and thirteen Torah scrolls, Journal of Jerusalem Studies,Vol 19 (1995), P. 81–88.
[128] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 1: 123, 128, 129, 134, 135, 138, 140, 150.
[129] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 1: 117, 178, 187, 197, 198, 210.
[130] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 1: 212.
[131] Ibn-e-Ḥazm, Kitāb al-Faṣal, 1: 99, 117; 2: 6-10.
[132] Ibn-e-Ḥazm, Al-Masāq5 (1992) 1: 17-28.
[133] Emilio Garcia, Introduction to Ibn-e-Ḥazm de Cordoba, 48.
Lazarus Yafeh, Intertwined Worlds, 66.